نئی آواز

اُردو کورکی درسی کتاب

گیارھویں جماعت کے لیے

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

© NCERT not to be republished

5186 - Nai Awaz Core Urdu Textbook for Class XI

ISBN 978-93-5007-150-2

جُملہ حقوق محفوظ

- ناشر کی پیلے سے اجازت حاصل کیے بغیر، اس کتاب کے کسی بھی حصے کو دوبارہ پیش کرنا، یادداشت کے ذریعے بازیافت کے سسٹم میں اس کو محفوظ کرنا یا برقیاتی، میکانیکی، فوٹو کاپیئنگ، ریکارڈنگ کے کسی بھی وسیلے سے اس کی ترسیل کرنا منع ہے۔
- اس کتاب کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا جارہا ہے کہ اسے ناشر کی اجازت کے بغیر، اس شکل کے علاوہ جس میں کہ یہ چھاپی گئی ہے یعنی، اس کی موجودہ جلد بندی اور سرورق میں تبدیلی کرکے، تجارت کے طور پر نہ تو مستعار دیا جاسکتا ہے، نہ دوبارہ فروخت کیا جاسکتا ہے نہ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تلف کیا جاسکتا ہے۔
- کتاب کے صفحہ پر جو قیمت درج ہے وہ اس کتاب کی صحیح قیمت ہے۔ کوئی بھی نظرثانی شدہ قیمت چاہے وہ ربر کی مہر کے ذریعے یا چپکی یا کسی اور ذریعے ظاہر کی جائے تو وہ غلط متصور ہوگی اور ناقابل قبول ہوگی۔

این سی ای آر ٹی کے پبلی کیشن ڈویژن کے دفاتر

این سی ای آر ٹی کیمپس
سری اروندو مارگ
نئی دہلی - 110016 فون 011-26562708

108,100 فٹ روڈ ہوسڈے کیرے ہیلی
ایکسٹینشن بناشنکری III اسٹیج
بینگلورو - 560085 فون 080-26725740

نوجیون ٹرسٹ بھون
ڈاک گھر، نوجیون
احمد آباد - 380014 فون 079-27541446

سی ڈبلیو سی کیمپس
بمقابل ڈھانگل بس اسٹاپ، پانی ہاٹی
کولکاتا - 700114 فون 033-25530454

سی ڈبلیو سی کامپلیکس
مالی گاؤں
گواہاٹی - 781021 فون 0361-2674869

اشاعتی ٹیم

ہیڈ، پبلی کیشن ڈویژن : انوپ کمار راجپوت
چیف ایڈیٹر : شویتا اُپل
چیف پروڈکشن آفیسر : ارون چتکارا
چیف بزنس منیجر (انچارج) : وپن دیوان
ایڈیٹر : سید پرویز احمد
پروڈکشن اسسٹنٹ : پرکاش ویر سنگھ

سرورق
اروپ گپتا

پہلا ایڈیشن

مارچ 2011 چیتر 1933

دیگر طباعت

فروری 2014 ماگھ 1935
فروری 2019 ماگھ 1940
اکتوبر 2019 کارتک 1941
مارچ 2021 چیتر 1943 (NTR)

PD NTR SPA

© نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، 2011

قیمت: ₹ 105.00

این سی ای آر ٹی واٹر مارک 80 جی ایس ایم کاغذ پر شائع شدہ

سکریٹری، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، شری اروندو مارگ، نئی دہلی نے

میں چھپوا کر

پبلی کیشن ڈویژن سے شائع کیا۔

© NCERT not to be republished

پیش لفظ

'قومی درسیات کا خاکہ۔2005' میں سفارش کی گئی ہے کہ بچّوں کی اسکولی زندگی، ان کی باہر کی زندگی سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ یہ زاویۂ نظر کتابی علم کی اُس روایت کی نفی کرتا ہے جس کے باعث آج تک ہمارے نظام میں اسکول، گھر اور سماج کے درمیان فاصلے حائل رہے ہیں۔ نئے قومی درسیات پر مبنی نصاب اور درسی کتابوں کی تیاری اسی بنیادی مقصد پر عمل آوری کی ایک کوشش کہی جاسکتی ہے۔ اس کوشش میں مختلف مضامین کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے اور رٹ کر پڑھنے کے طریقۂ کار کی حوصلہ شکنی بھی شامل ہے۔ ہمیں امّید ہے کہ ان اقدامات سے قومی تعلیمی پالیسی (1986) میں مذکور تعلیم کے 'طفل مرکوز نظام' کی طرف مزید پیش رفت ہوگی۔

اس کوشش کی کامیابی کا انحصار ان اقدامات پر ہے کہ اسکولوں کے پرنسپل اور اساتذہ اپنے تاثرات خود ظاہر کرنے اور ذہنی سرگرمیوں اور سوالوں کے ذریعے سیکھنے کے سلسلے میں بچوں کی ہمّت افزائی کریں۔ ہمیں یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ بچّوں کو اگر موقع، وقت اور آزادی دی جائے تو وہ بڑوں سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر نئی معلومات مرتّب کرتے ہیں۔ آموزش کے دوسرے ذرائع اور محلِ وقوع کو نظر انداز کرنے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب، مجوّزہ نصابی کتاب کو امتحان کے لیے واحد ذریعہ بنانا ہے۔ بچّوں کے اندر تخلیقی صلاحیت اور پیش قدمی کے رجحان کو فروغ دینا اُسی وقت ممکن ہے جب ہم آموزشی عمل میں بچّوں کو بہ حیثیت شریک کار قبول کریں اور ان سے اُسی طرح پیش آئیں۔ انھیں محض مقرّرہ معلومات کا جانکار نہ سمجھیں۔

یہ مقاصد اسکول کے نظام الاوقات (Time-Table) اور طریقۂ کار میں معقول تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ روز مرّہ معمولات میں نرمی کی اتنی ہی اہمیت یا ضرورت ہے جتنی کہ سالانہ کیلینڈر کے نفاذ اور محنت کی، تاکہ تدریس کے لیے دستیاب مدّت کو حقیقتاً تدریس کے لیے وقف کیا جاسکے۔ تدریس اور اندازِ قدر کے طریقوں سے بھی اس امر کا تعیّن ہوگا کہ یہ نصابی کتاب بچّوں میں ذہنی تناؤ اور اکتاہٹ پیدا کرنے کے بجائے ان کی اسکولی زندگی کو خوش گوار بنانے میں کس حد تک موثّر ثابت ہوتی ہے۔ نصابی بوجھ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے نصاب سازوں نے مختلف سطحوں پر معلومات کی تشکیلِ نو اور اُسے نیا رخ دینے کی

غرض سے بچّوں کی نفسیات اور تدریس کے لیے دستیاب وقت پر زیادہ سنجیدگی کے ساتھ توجّہ دی ہے۔ اس مخلصانہ کوشش کو مزید بہتر بنانے کے لیے یہ نصابی کتاب سوچنے اور حیرتوں کو جگائے رکھنے، چھوٹے گروپوں میں بحث و مباحثہ کو فروغ دینے اور عملاً انجام دی جانے والی سرگرمیوں کو زیادہ اوّلیت دیتی ہے۔

این سی ای آر ٹی اس کتاب کے لیے تشکیل دی جانے والی ''کمیٹی برائے درسی کتاب'' کی مخلصانہ کوششوں کی شکر گزار ہے۔ کونسل زبانوں کی مشاورتی کمیٹی برائے زبان کے چیئرمین پروفیسر نامور سنگھ اور اس کتاب کے خصوصی صلاح کار پروفیسر شمیم حنفی کی ممنون ہے۔ اس درسی کتاب کی تیاری میں جن اساتذہ نے حصّہ لیا، ہم ان کے متعلقہ اداروں کے بھی شکر گزار ہیں۔ ہم ان سبھی اداروں اور تنظیموں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے وسائل، مآخذ اور عملے کی فراہمی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ ہم وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، حکومتِ ہند کے شعبے برائے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کی جانب سے پروفیسر مرنال مری اور پروفیسر جی۔ پی۔ دیش پانڈے کی سربراہی میں تشکیل شدہ نگراں کمیٹی (مانیٹرنگ کمیٹی) کے اراکین کا بھی خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت اور تعاون ہمیں دیا۔ باضابطہ اصلاح اور اپنی اشاعت کے معیار کو مسلسل بہتر بنانے کے مقصد کی پابند ایک تنظیم کے طور پر این سی ای آر ٹی تمام مشوروں اور آرا کا خیر مقدم کرتی ہے تاکہ کتاب کو مزید غور و فکر کے بعد اور زیادہ کارآمد اور بامعنی بنایا جاسکے۔

نئی دہلی
مارچ 2011

ڈائریکٹر
نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

© NCERT not to be republished

اس کتاب کے بارے میں

'قومی درسیات کا خاکہ – 2005' کی سفارشات کے پیش نظر اردو کی یہ درسی کتاب سی بی ایس سی ای میں رائج 'اردو کور' 'بی کورس' کے تحت گیارھویں جماعت کے طلبا کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں متن کے انتخاب اور پیش کش دونوں سطحوں پر یہ کوشش رہی ہے کہ 'بی کورس' کے تحت اردو زبان کی تدریس روایتی اور بوجھل نہ ہو کر طلبا کی زندگی دلچسپی اور تجربے سے ہم آہنگ ہو سکے اور ان کی لسانی اور ادبی صلاحیتوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو جائے۔

اس کتاب کے دو حصّے ہیں: I حصّہ نثر II حصّہ نظم۔ پہلے حصّے میں ادبی معلوماتی اور تہذیبی مضامین کے ساتھ ترجمہ، انشائیے، افسانے اور ڈراما اور دوسرے حصّے میں غزلیں، نظمیں اور گیت شامل ہیں۔ کتاب میں متن کے ساتھ دی جانے والی مشقوں میں تفہیمی عملی سرگرمیوں اور نصاب میں شامل عملی قواعد پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

کتاب کے ظاہری حسن کو نکھارنے اور طلبا مرکوز بنانے کے لیے مصنّفین کا شخصی تعارف، تصویری خاکے، متعلقہ اصناف کا تعارف اور متن سے متعلق تصاویر شامل کی گئی ہیں۔

اس کتاب کے ذریعے یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ طلبا، کتاب اور استاد کے مابین مکالماتی رشتہ قائم ہو سکے۔

آموزش کو بہتر بنانے کی یہ کوشش متواتر جاری ہے۔ اس کے لیے آپ کے مشوروں کا خیر مقدم ہے۔

© NCERT not to be republished

کمیٹی برائے درسی کتاب

چیرمین، مشاورتی کمیٹی برائے زبان

نامور سنگھ، پروفیسر ایمیریٹس، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

خصوصی صلاح کار

شمیم حنفی، پروفیسر ایمیریٹس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

چیف کوآرڈی نیٹر

رام جنم شرما، سابق پروفیسر اینڈ ہیڈ ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اِن لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

اراکین

آفاق حسین صدیقی، پروفیسر (ریٹائرڈ) مادھو کالج، اجین

ارتضیٰ کریم، پروفیسر اینڈ ہیڈ ڈپارٹمنٹ آف اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

حبیب اللہ، ہیڈ ڈپارٹمنٹ آف اردو، ڈی، اے، وی، کالج، وارانسی

سلیم شہزاد، اردو استاد (ریٹائرڈ)، مالیگاؤں

سیّد یحییٰ نشیط، اردو استاد (ریٹائرڈ)، یووت مال

شمیم احمد، لیکچرر، سینٹ اسٹیفن کالج، دہلی

شہناز انجم، پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

صغرا مہدی، پروفیسر (ریٹائرڈ) جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

صغیر افراہیم، پروفیسر، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ضیاء الرحمٰن صدّیقی، ایسو سی ایٹ پروفیسر، اردو ٹیچرس ریسرچ سینٹر، سولن

عتیق اللہ، پروفیسر (ریٹائرڈ) دہلی یونیورسٹی، دہلی

© NCERT not to be republished

غضنفر علی، پروفیسر ڈائریکٹر، **اکاڈمی فار پروفیشنل ڈیولپمنٹ آف اردو میڈیم ٹیچرس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی**

فاروق بخشی، پروفیسر، شعبہ اردو، **سکھاڑیا یونیورسٹی، اودے پور**

فاریحہ حیرت، اردو استاد، **جامعہ سینئر سیکنڈری اسکول، نئی دہلی**

فدا المصطفیٰ فدوی، پروفیسر، شعبۂ اردو، **ہری سنگھ گور یونیورسٹی، ساگر**

محمد نفیس حسن، اردو استاد، **گورنمنٹ بوائز مڈل اسکول، اجمیری گیٹ، دہلی**

مظفر حنفی، ریٹائرڈ پروفیسر اقبال چیئر، **کلکتہ یونیورسٹی، کولکتہ**

وہاج الدین علوی، پروفیسر، شعبۂ اردو، **جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی**

ممبر کوآرڈی نیٹر

محمد نعمان خاں، پروفیسر، **ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اِن لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی**

چمن آرا خاں، اسسٹینٹ پروفیسر، **ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اِن لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی**

© NCERT not to be republished

اظہارِ تشکر

اس کتاب میں محمد حسین آزاد کا مضمون 'خانِ خاناں کی فیّاضی' اور سید مبارز الدّین رفعت کا 'اجنتا اور ایلورا'، عبدالحلیم شرر کا انشائیہ 'مغرور جوتا' رشید احمد صدیقی کا 'مسجد کا قیدی' عبدالاحد خاں تخلّص بھوپالی کا 'خالا نے خط لکھوایا' کرشن چندر کا افسانہ 'جامن کا پیڑ' اور خواجہ احمد عباس کا 'کھدّر کا کفن' آغا حشر کاشمیری کا ڈراما 'صید ہوس' سید عابد حسین کا ترجمہ 'سچّی زندگی، روحانی خوشی' انشاء اللہ خاں انشؔا اور فانیؔ بدایونی کی غزلیں، نظیرؔ اکبرآبادی، افسرؔ میرٹھی اور علی سردارؔ جعفری کی نظمیں، حفیظؔ جالندھری کا گیت شامل ہیں۔ کونسل ان سبھی کے وارثین کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

کتاب میں رتن سنگھ کا افسانہ 'ہزاروں سال لمبی رات' اور کرشنا سوبتی کا مضمون 'میاں نصیرالدین' بھی شامل ہے۔ کونسل ان دونوں کی بھی شکرگزار ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں کاپی ایڈیٹر ڈاکٹر ارشاد نیّر، ڈی ٹی پی آپریٹر ساجد خلیل فلاحی، محمد عارف رضا اور کمپیوٹر اسٹیشن انچارج پرش رام کوشک نے دلچسپی سے حصّہ لیا ہے، کونسل ان سب کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

© NCERT not to be republished

ترتیب

پیش لفظ iii

اس کتاب کے بارے میں v

حصّۂ نثر

1	خواجہ معین الدین چشتیؒ	مختصر مضمون	(ادارہ)	02-06
2	مسجد کا قیدی	انشائیہ	رشید احمد صدیقی	07-16
3	ہزاروں سال لمبی رات	افسانہ	رتن سنگھ	17-24
4	میاں نصیرالدین	مضمون	کرشنا سوبتی	25-33
5	کولکتہ	مضمون	(ادارہ)	34-39
6	خالا نے خط لکھوایا	مزاحیہ مضمون	عبدالاحد خاں تخلص بھوپالی	40-47
7	کھدّر کا کفن	افسانہ	خواجہ احمد عبّاس	48-52
8	سچی زندگی، روحانی خوشی	ترجمہ	سیّد عابد حسین	53-60
9	مغرور جوتا	انشائیہ	عبدالحلیم شرر	61-67
10	روبوٹ	مضمون	(ادارہ)	68-72
11	صیدِ ہوس	ڈراما	آغا حشر کاشمیری	73-80
12	اجنتا اور ایلورا	مضمون	سید مبارز الدین رفعت	81-86
13	جامن کا پیڑ	افسانہ	کرشن چندر	87-96
14	خانِ خاناں کی فیاضی	مضمون	محمد حسین آزاد	97-104

© NCERT not to be republished

حصّۂ نظم

15	کمر باندھے ہوئے.....	غزل	انشاءاللہ خاں انشؔا	106-110
16	خواہش	نظم	افسرؔ میرٹھی	111-115
17	لو پھر بسنت آئی	گیت	حفیظؔ جالندھری	116-121
18	دنیا میری بلا جانے.....	غزل	فانیؔ بدایونی	122-125
19	کلجُگ	نظم	نظیرؔ اکبرآبادی	126-129
20	ترانۂ اردو	نظم	علی سردارؔ جعفری	130-134

© NCERT not to be republished

حصّۂ نثر

© NCERT not to be republished

مختصر مضمون

اردو میں مختصر مضمون نگاری کا آغاز سرسیّد سے ہوتا ہے۔ انھوں نے اس صنف کو سماجی اصلاح کے ایک وسیلے کے طور پر استعمال کیا۔ اس کے بعد مضمون نگاری بھی ایک صنف کی حیثیت سے رائج ہوگئی۔ سماجی موضوعات کے علاوہ علمی، ادبی، فلسفیانہ، سائنسی، سوانحی اور دیگر موضوعات پر بھی مضامین لکھے گئے ہیں۔ حالؔی، شبلؔی، محمد حسین آزادؔ، نذیر احمد، میر ناصر علی، نیاز فتحپوری، رشید احمد صدیقی، مرزا فرحت اللہ بیگ، ابوالکلام آزاد، خواجہ غلام السیّدین وغیرہ اردو کے اہم مضمون نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔

مختصر مضمون کی ایک شکل انشائیہ کہلاتی ہے۔ انشائیہ اور مضمون میں کوئی خاص فرق نہیں۔ لیکن عام طور پر انشائیہ میں مزاح اور طنز یا خوش مزاجی کا رنگ ہوتا ہے اور انشائیہ نگار اکثر باتیں اپنے حوالے سے یا اکثر اپنے ہی بارے میں بیان کرتا ہے۔

© NCERT not to be republished

خواجہ معین الدّین چشتیؒ

ہندوستان ایک عظیم ملک ہے۔ اس کی گنگا جمنی تہذیب کو دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہر مذہب کے ماننے والے یہاں صدیوں سے مِل جُل کر رہتے آئے ہیں۔ مذہب، تہذیب اور زبان کے فرق کے باوجود سبھی لوگ ہندوستانی ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ہر زمانے میں یہاں ایسے بزرگ، صوفی، سنت اور رشی مُنی پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے انسانوں کو بھائی چارے، محبّت اور امن کا پیغام دیا ہے۔ ایسی ہی نیک اور بزرگ ہستیوں میں ایک نام حضرت خواجہ معین الدّین چشتیؒ کا بھی ہے۔ وہ ایران کے ایک شہر سنجر میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ نو برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ وہ اپنے والد محترم کے ہمراہ سنجر سے ہجرت کر کے خراسان آ گئے جہاں اچانک ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور کچھ دن بعد ہی والدہ محترمہ بھی وفات پا گئیں۔

خواجہ صاحب نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے دُور دراز کے سفر کیے۔ عالموں اور بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ تیس سال تک علم حاصل کرنے میں مصروف رہے اور شہر شہر گھومتے ہوئے وہ شہر ہرون پہنچے یہاں ان کی ملاقات حضرت خواجہ عثمانؒ سے ہوئی۔ معین الدّین چشتیؒ نے انھیں اپنا پیرومرشد بنالیا۔ تقریباً بیس برس اپنے پیرومرشد کی خدمت رہے۔ رخصت کے وقت مرشد نے انھیں نصیحت کی ''سرمایہ داروں سے تعلق نہ رکھنا اور ہمیشہ آبادی سے دور قیام کرنا''۔ خواجہ صاحب نے آخری سانس تک اس نصیحت پر عمل کیا اور وہ پیرومرشد سے رخصت ہو کر مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے۔ مدینہ شریف میں انھیں بشارت ہوئی کہ ''ہندوستان جا کر دین کی تبلیغ کرو اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ دکھاؤ''۔ یہ حکم ملتے ہی وہ بغداد، ہمدان، اصفہان، ہرات، سبزوار اور ملتان ہوتے ہوئے لاہور پہنچے۔ وہاں کچھ دن حضرت خواجہ داتا گنج بخشؒ کے مزار پر قیام کے بعد دہلی آ گئے اور یہاں رہ کر اپنے کردار و عمل سے لوگوں کو متاثر کرنے لگے۔ اس کے بعد جب اجمیر پہنچے تو اُن کی نیکی اور بزرگی کا چرچا دور دور تک پھیل گیا۔ انھوں نے بھٹکے ہوئے لوگوں کو حق و انصاف، برابری، انسانیت اور محبت کا درس دیا۔ ان کی تعلیمات نے دکھی انسانوں کے دلوں کو موہ لیا۔ وہ بیماروں کے مسیحا اور غریبوں کے سچے ہمدرد تھے۔ جو کچھ ان کے پاس آتا وہ اُسے غریبوں اور ضرورت مندوں

میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اسی مناسبت سے انھیں ''غریب نواز'' کہا جانے لگا۔

خواجہ صاحب کا قول تھا کہ —

''مصیبت کے مارے دکھی انسانوں سے ہمدردی کرنا اور ان کے غم میں شریک ہونا، ہزاروں عبادت سے بڑھ کر عبادت ہے۔ جو شخص بھوکے کو کھانا کھلائے، پیاسے کو پانی پلائے اور ننگے کو کپڑا پہنائے خدا اُسے دوست رکھتا ہے۔ اپنے کسی بھائی کو بے عزّت کرنا یا حقیر سمجھنا سب سے بڑا گناہ ہے۔''

ان کی تعلیمات سے متاثّر ہوکر بابا گرو نانک نے کہا تھا کہ ''نجات حاصل کرنے کے لیے ہر فرد کو ان کی تعلیمات کے بغور مطالعے اور عمل کی ضرورت ہے''۔ مہاتما گاندھی نے 1933ء میں خواجہ صاحب کی درگاہ اجمیر میں حاضری دی اور کہا، ''یہاں آکر میری روح کو بڑا چین ملا ہے، افسوس کہ ہم خواجہ صاحب کی زندگی کو آدرش نہیں بناتے''۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے خواجہ کے دربار میں حاضری دے کر کہا تھا، ''ایسے ہی مقدّس مقامات سے ہندو مسلم اتّحاد کا عملی درس حاصل کیا جاسکتا ہے۔''

خواجہ صاحب نے انسانیت، محبّت اور اخلاق کا جو چراغ جلایا تھا وہ آج بھی روشن ہے۔ ان کی تعلیمات آج بھی قابلِ تقلید ہیں۔ ان سے متاثر ہونے اور عقیدت رکھنے والوں میں ہر فرقے اور مذہب کے لوگ شامل ہیں۔ ان کا عُرس اجمیر میں ہر سال منایا جاتا ہے جس میں ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے لوگ لاکھوں کی تعداد میں شرکت کرتے ہیں۔

(ادارہ)

مشق

● لفظ و معنی

عظیم	:	بڑا
رشی مُنی	:	سادھو سنت
صوفی	:	نیک، پارسا
علوم	:	علم کی جمع

© NCERT not to be republished

پیرومرشد	:	استاد، بزرگ
بشارت	:	غیبی ہدایت
تبلیغ	:	دین کی باتیں لوگوں تک پہنچانے کا کام
موہ لینا	:	لُبھانا، متوجہ کرنا
آدرش	:	مثالی نمونہ
مسیحا	:	حضرت عیسیٰؑ کا لقب جو مُردوں کو زندہ یا بیماروں کو اچھا کر دیتے تھے۔
تقلید	:	نقل، پیروی
نجات	:	چُھٹکارا
عرس	:	صوفیوں کے مزارات پر ادا کی جانے والی سالانہ رسمیں

● سوالات

1۔ خواجہ غریب نواز کہاں پیدا ہوئے؟
2۔ خواجہ صاحب کے پیرومرشد کون تھے اور کہاں کے رہنے والے تھے؟
3۔ خواجہ صاحب کو ''غریب نواز'' کیوں کہا جاتا ہے؟
4۔ خواجہ صاحب کو کیا بشارت ہوئی تھی؟
5۔ خواجہ صاحب کی تعلیمات کیا ہیں؟
6۔ گرونانک نے خواجہ صاحب کے بارے میں کیا کہا ہے؟

● زبان وقواعد

حق وانصاف پیرومرشد

ان لفظوں میں واؤ 'و' کا استعمال دولفظوں کو جوڑنے کے لیے کیا گیا ہے اسے 'واوِعطف' کہتے ہیں۔ اس واؤ 'و' کے معنی ہیں 'اور' یہ واوِعطف دومفرد کلموں کو آپس میں جوڑنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

© NCERT not to be republished

آپ بھی اس طرح کی تین مثالیں پیش کیجیے۔

- نیچے لکھے ہوئے جملے میں اسم خاص کی نشاندہی کیجیے:

''یہ حکم ملتے ہی وہ بغداد، ہمدان، اصفہان، ہرات، سبزوار اور ملتان ہوتے ہوئے لاہور پہنچے۔''

غور کرنے کی بات

گنگا اور جمنا ہندوؤں کے دو مقدس دریاؤں کے نام ہیں۔ گنگا جمنی تہذیب سے مراد مسلمانوں اور ہندوؤں کا ان دریاؤں کی طرح مل کر رہنا ہے۔

☆ خواجہ صاحب کی درگاہ پر ہندو مسلمان سکھ اور عیسائی سبھی جاتے ہیں۔ یہاں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس لیے اس درگاہ کو ہم گنگا جمنی تہذیب کی ایک اہم علامت قرار دے سکتے ہیں۔

عملی کام

ہندوستان کے دوسرے اہم صوفیوں کے بارے میں معلومات جمع کیجیے۔

© NCERT not to be republished

انشائیہ

لفظ انشا اردو میں کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ انشائیہ بھی اسی لفظ سے بنا ہے۔

ابتدا میں مضمون نگاری اور انشائیہ نگاری میں زیادہ فرق نہیں تھا مگر رفتہ رفتہ ان میں فرق پیدا ہوتا گیا، یہاں تک کہ انشائیہ ایک علاحدہ صنف قرار پائی۔ انشائیہ نگار اپنے مخصوص ذاتی مشاہدات اور تاثرات کو بے باکی اور بے تکلفی سے بیان کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انشائیہ میں سنجیدہ اور غیر سنجیدہ موضوعات سے متعلق خیال کے تمام مرحلے خوش طبعی کے ساتھ طے کیے جاتے ہیں۔ یہ بات میں بات پیدا کرنے کا فن ہے۔ انشائیہ نگار مفہوم سے خالی گفتگو میں بھی معنی پیدا کر دیتا ہے لیکن کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ اختصار اس کی پہچان ہے۔ اس میں مزاح یا ٹھٹھول کی جگہ ہلکی پھلکی زیرِ لب ہنسی پنہاں ہوتی ہے۔ خیال آفرینی اس کی ایک اہم خوبی ہے۔

اردو میں انشائیے کی ابتدا سرسید احمد کے رسالے ''تہذیب الاخلاق'' سے ہوتی ہے۔ مولوی نذیر احمد اور ذکاء اللہ کے بعد ''اودھ پنچ'' اور ''مخزن'' نے اسے فروغ دیا۔ میر ناصر علی، سجاد حیدر یلدرم، سلطان حیدر جوش، سجاد انصاری، نیاز فتح پوری، مہدی افادی، فرحت اللہ بیگ، قاضی عبدالغفار، پطرس بخاری، سید محفوظ علی بدایونی، خواجہ حسن نظامی، رشید احمد صدیقی اور مشتاق احمد یوسفی نے اس صنف کو مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

© NCERT not to be republished

رشید احمد صدیقی

(1896 — 1977)

رشید احمد صدیقی جون پور کے رہنے والے تھے۔انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔اے کیا اور اسی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں تدریس سے وابستہ ہو گئے۔

رشید احمد صدیقی کا شمار اردو کے مقبول ومعروف انشاپردازوں میں ہوتا ہے۔وہ ایک صاحب طرز نثر نگار تھے۔انھوں نے خالص مزاح کی ایک قابل قدر مثال قایم کی ہے۔انھیں بات سے بات نکالنے کا غیر معمولی ہنر آتا ہے۔طنز اُن کے مضامین میں آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتا ہے۔رشید صاحب نے کئی قابل ذکر شخصیتوں پر خاکے بھی لکھے تھے۔ان خاکوں کی سب سے بڑی خوبی ان کی شگفتہ بیانی ہے۔'ہم نفسانِ رفتہ' ان کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔'مضامینِ رشید،' 'گنج ہائے گراں مایۂ،' 'خنداں' وغیرہ ان کے مضامین کے مجموعے ہیں۔

© NCERT not to be republished

مسجد کا قیدی

بچّو ! بہت دن کی بات ہے۔ جب میں تم سے بھی چھوٹا تھا۔ شاید تمھارے چھوٹے بھائی کے برابر۔ میرا خیال ہے کہ میں نے شرارت کبھی نہیں کی لیکن تم سے کیا چھپانا۔ بے وقوفیاں البتہ ایسی کی ہیں کہ اور تو اور تم بھی میری بے وقوفی پر ہنس پڑو گے اور ہنس نہ سکو تو سمجھ لینا کہ بوڑھا ہونے پر بھی میں بے وقوف ہی رہا جو تعجّب کی بات نہیں ہے یا پھر تم بچّے سے زیادہ بوڑھے ہو جو افسوس کی بات ہے۔ کیا ہنسنے کے لیے تم مجھ سے بھی بڑے بے وقوف کے منتظر ہو؟ ہنسنے کے لیے کسی بے وقوف کا انتظار کرنا بھی ہنسی کی بات ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کبھی کسی پر نہیں ہنستے۔ یہ ایسے بدقسمت ہیں کہ اتفاق سے یہ ہنس پڑیں تو دوسرے ان پر ہنسنے لگتے ہیں۔ کچھ لوگ ہنسی میں ان کو فلسفی کہتے ہیں لیکن مجھے اِن باتوں سے کیا مطلب کہ کون فلسفی ہے۔ مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ بچّے فلسفی نہیں ہوتے۔ میں بے وقوف ہوں اسی لیے عقل مندی سیکھنے کے لیے لوگ میرے پاس آتے ہیں۔

بچو! تم بڑے ہوگے تو تم کو ایسے بہت سے عقل مند ملیں گے جنھوں نے بے وقوفوں سے بے وقوفی سیکھی ہے۔

میں نے شرارت کبھی نہ کی، اس لیے ماں باپ کے ہاتھ کبھی پٹا نہیں۔ لیکن بے وقوفی کے سلسلے میں مجھے بعض ایسی سزائیں بھگتنی پڑیں کہ تم سن کر ہنس پڑوگے۔ میں جہاں رہتا تھا اس کے قریب ہی ایک ٹوٹی مسجد تھی جس میں بہت سے چمگادڑ تپسّیا میں الٹے لٹکے رہتے تھے۔ کچھ بے ٹونٹی کے لوٹے جہاں تہاں رکوع اور سجود میں نظر آتے تھے۔ کسی زمانے میں مسجد کے گرد احاطہ بھی تھا جس کی دیواریں گر چکی تھیں۔ لیکن سامنے کا دروازہ قائم تھا جس میں کواڑ اور کنڈی بھی تھی۔ گھر کا ایک ملازم تھا 'فضلو' نہایت دُبلا پتلا، اس کے ہاتھ ایسی لکڑی سے بنے معلوم ہوتے تھے جس پر سے سوکھی چھال علاحدہ نہ کی گئی ہو۔ خاموش، جھکا ہوا، بالکل اسی ٹوٹی مسجد کی مانند۔ کبھی کبھی میں اسے پسند بھی کرتا تھا لیکن آگے چل کر تمھیں معلوم ہوگا کہ میں اس سے کیوں بیزار ہوگیا۔

والدہ کی تاکید تھی، بڑے بھائی کا نام نہ لیا کرو۔ اس زمانے میں اپنے سے بڑے بھائی کا نام لینا اور رشتے یا تعظیم کا کوئی لفظ شامل نہ کرنا بدتمیزی خیال کیا جاتا تھا۔ بڑے بھائی کا پیار کا نام 'صمنا' تھا۔ اکثر غصّے میں ان کو صمنا کہہ دیتا۔ اس کی شکایت ہوتی تو ماں باپ مجھے سمجھاتے اور بُرا بھلا کہتے۔ چنانچہ معلوم نہیں کیوں اور کیسے میں یہ سمجھنے لگا کہ صمنا نام نہیں بلکہ کوئی گالی یا بدتمیزی ہے۔

ایک دن بھائی صاحب کی شکایت کرنے ماں کے پاس پہنچا، بے وقوف ہونے کے علاوہ میں کمزور اور مریض بھی تھا۔ اس لیے ہر شکایت روکر پیش کرتا۔ یہی نہیں بلکہ روتا زیادہ اور شکایت کم کرتا۔ والدین سمجھنے لگے کہ جب تک میں رونے کا کورس پورا ختم نہ کرلوں گا مطلب کی بات زبان پر نہ آنے دوں گا۔ اس لیے میرے رونے کی طرف توجہ نہ کرتے۔ اس سلوک سے ظاہر ہے کہ مجھے اور زیادہ رونا پڑتا۔ رونے میں میرا کچھ بگڑتا نہ تھا اور ظاہر ہے کہ اس طرح رونے سے میں کسی اور کا بھی کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ اس لیے میرے رونے کی مدّت ہمیشہ بڑھتی رہی لیکن جلد ہی مجھ پر یہ بھید کُھلا اور آنکھیں کھلیں (میں آنکھیں بند کرکے روتا تھا) کہ اس طرح روتے رہنے میں اتنی دیر لگ جاتی ہے کہ شکایت کرنا ہی بھول جاتا ہوں۔ اس طرح نہ جانے کتنی میری معصوم شکایتوں کا خون ہوتا رہا اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ باوجود اس کے کہ میں کافی اونچے سُروں میں روتا تھا۔

آخر میں مجھے کچھ ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ میرے رونے کا تال سُر ٹھیک نہ تھا اس لیے کہ میرے رونے پر لوگ ہمدردی کرنے کے بجائے ہنسنے لگتے تھے اور پیٹھ پیچھے ہنستے تو ایسا کچھ بُرا بھی نہ تھا۔ رونا تو اس کا تھا کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنستے۔ اسی لیے میں نے خاص طور پر آنکھیں بند کرکے رونا شروع کردیا تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تال سُر سے رونا بہتر ہے۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کسی کے رونے پر ہنسنا اچھّی بات نہیں اور کسی کے ہنسنے پر رونا تو اور زیادہ ہنسی کی بات ہے۔ لیکن میں بے وقوف ہوں۔ میری اپنی ذمہّ داریاں کم ہیں کہ میں دوسروں کے رونے ہنسنے پر دیر تک سوچوں اور سوچنے سے یوں بھی بے وقوف ہمیشہ

خسارے میں رہتا ہے۔

والد صاحب کے پاس شکایت لے کر پہنچنے کا قصّہ یہ ہے کہ میں نے بھائی صاحب کی کتاب پھاڑ ڈالی ہوگی۔ گو اس وقت تک مجھے کاپی کتاب سے کوئی سروکار نہ تھا۔ یہ بات کسی اور کے سمجھ میں آتی ہو یا نہیں۔ میری سمجھ میں خوب آتی ہے کہ کتاب پھاڑنے کا بدلہ کتاب پھاڑنے سے ہی لیا جاسکتا تھا۔ میں اگر معصوم ذہن پر زور ڈالتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ بھائی صاحب کی کتاب نہ ملتی تو میں کسی اور کی کتاب پھاڑ ڈالتا۔

جب تک میں روتا رہا والدہ خاموش رہیں۔ میں یہ سمجھا کہ میرے رونے کا اثر ہو رہا ہے اس لیے میں نے اس سلسلے کو جاری رکھا۔ نتیجہ وہی ہوا جو میں بتا چکا ہوں یعنی رونے کا کورس ختم ہوگیا اور میں وہ بات بھول گیا جس کے لیے رونا شروع کیا تھا والدہ نے پوچھا:

''کیا بات تھی؟'' تو بجائے بات یاد آنے کے مجھے رونا یاد آ گیا لیکن یہ دیکھ کر کہ وہ پھر دوسری طرف متوجّہ ہوگئیں۔ میں نے چیخ کر کہا کہ بھائی صاحب نے مجھے گالی دی ہے۔ والدہ کو گالی سے بڑی نفرت تھی۔ اکثر کہا کرتیں کہ گالی سے بہتر مار پیٹ ہے۔ والدہ کا یہ کہنا مجھے یاد تھا۔ ایک دفعہ میں نے اس پر عمل بھی کیا لیکن جلد ہی معلوم ہوگیا کہ مار پیٹ یک طرفہ نہیں بلکہ دوطرفہ ہوتی ہے اور جہاں اس طرح کا دوطرفہ کاروبار ہو وہاں مجھ جیسا بے وقوف (جس کا ذہن ایک طرفہ ہوتا ہے) ہمیشہ گھاٹے میں رہے گا۔ بھوت اور بے وقوف دونوں کے بزرگوں نے مار پیٹ سے بچنے کی بڑی قیمتی وصیتیں چھوڑی ہیں۔

بھائی صاحب بُلائے گئے اور ان سے جواب طلب کیا گیا۔ الزام سُن کر وہ ہکّا بکّا رہ گئے پھر بولے ''اِنھیں سے پوچھیے میں نے کب کون سی گالی دی ہے۔'' میں نے ایک نعرہ لگا کر کہا۔ انھوں نے مجھے بڑے زور سے کہا ہے۔ لیکن یہ دیکھ خود ہکّا بکّا رہ گیا کہ سارے گھر والوں نے میرے نعرے سے کہیں بلند قہقہہ لگایا۔ اس کے بعد بھائی صاحب نے میرے خلاف اپنی کتاب پھاڑ ڈالنے کا جو الزام لگایا اس پر مجھے سزا دی گئی۔ فضلو بلایا گیا اور ہدایت کی گئی کہ مجھے لے جا کر ٹوٹی ہوئی مسجد میں بند کر دیا جائے۔ جہاں مجھے سیا رکھا جائے گا۔ وہ مجھے پیٹھ پر لاد کر مسجد میں لایا اور اندر ڈھکیل کر صدر دروازے کی کنڈی باہر سے چڑھا دی۔ میں دیر تک روتا، شور مچاتا رہا اور دروازے کو دھکّے دیتا رہا۔ اس میں شک نہیں کہ آس پاس کی دیواریں گری ہوئی تھیں اور میں کسی بھی طرف سے باہر نکل سکتا تھا لیکن میرے ذہن میں یہ بات کس طرح آسکتی تھی اور آتی بھی تو میں اسے مان کیوں لیتا کہ جس دروازے سے مجھے مسجد میں داخل کیا گیا نکلنے کے لیے میں اس کے بجائے کوئی اور دروازہ کھولتا۔ میں بتا چکا ہوں کہ میرا ذہن یک طرفہ تھا۔ قاعدہ کی بات یہ ہے۔ اور بے وقوف سے زیادہ قاعدے کا پابند کون ہوسکتا ہے؟ جس راستے سے داخل ہوں،

اسی راستے سے نکلیں۔ اگر وہ راستہ بند ہے تو قصور اس راستے کا ہے۔ اُسے کھُلنا چاہیے اور میں یہی کوشش بھی کر رہا تھا۔

کچھ جوان، بوڑھے اس طرف سے گذرے اور انھوں نے مجھے بتایا کہ ہر طرف سے دیواریں گری ہوئی ہیں۔ جدھر سے چاہوں نکل جاؤں لیکن میری لڑائی تو دروازے سے تھی۔ میں ان سے صلح کی بات کیسے کرتا اور کیوں کرتا؟ تھوڑی دیر بعد میری ہی عمر کا ایک لڑکا بھی آیا اس نے وہی بات بتائی جو اوروں نے بتائی تھی۔ اس کی عمر اور گستاخی دیکھ کر میں نے اس پر ایک ڈھیلا پھینکا جس کا اس نے قہقہے سے جواب دیا۔ میں آپے سے باہر ہوگیا۔ ساتھ ہی ساتھ لڑکے سے نبٹنے کے لیے مسجد سے بھی باہر ہوگیا۔ لیکن لڑکا بھاگ گیا اور میں پھر مسجد کے اندر دروازے سے جالگا۔

کافی دیر بعد فضلو نے دروازہ کھولا اور میں باہر گیا اور پیدل واپس آ گیا اور فضلو کے کہنے پر بھی نہ تو اس کی گود میں گیا اور نہ اس کی انگلی پکڑی۔

میں اپنی ہر بے وقوفی پر مسجد میں قید کیا جاتا۔ سیار کبھی نظر نہ آیا۔ البتہ مجھے فضلو سے نفرت ہوگئی اور اس پر خدا کا شکر کیا کرتا کہ اس نے میرے لیے مسجد کو سیار بنادیا تھا، فضلو کو نہیں۔ میں اس کی بھی دُعا مانگا کرتا تھا کہ خدا وہ دن نہ لائے جب میں فضلو کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر مسجد میں قید کرآؤں۔ جب تک میں مسجد میں قید رہا۔ میرے دل میں اس کتاب کے بارے میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے رہے۔ مثلاً یہ کہ میں نے کتاب ضرور پھاڑ دی لیکن وہ پھٹی کیوں اور پھٹ بھی گئی تو جُڑ کیوں نہ گئی۔ پھٹ جانے سے اس کا کیا فائدہ ہوا اور جُڑ جاتی تو اس کا کیا بگڑ جاتا۔ یہ سارے لوگ میرے پیچھے تو ڈنڈا لیے پھرتے ہیں اور ایک آدھ مار بھی دیتے ہیں لیکن کتاب کو کچھ نہیں کہتے۔

مجھے مٹّی اور فضلو کو چغلی کھانے کا بڑا شوق تھا۔ مٹّی کھانے میں بڑا مزا آتا تھا یہ مزہ فضلو کے چغلی کھانے سے کرکرا ہوجاتا تھا۔ کبھی کبھی مٹّی بھی کرکری ہوتی ہے۔ مٹی کھانے پر والد صاحب نے ایک دن میرے دونوں کان پکڑ کر مجھے اتنا اونچا کردیا جتنا میں اب ہوں۔ میرے لیے یہ تجربہ بالکل نیا تھا اور تکلیف دہ بھی۔ خاص طور پر ایسی حالت میں جب کہ مٹّی منہ میں ہو، زبان باہر ہو۔ والدہ نے دوڑ کر مجھے زمین پر آنے سے پہلے ہی سنبھال لیا۔ میں نے اس وقت خیال کیا کہ جب اپنا کان دوسرے کے ہاتھ میں ہو اور پاؤں ہوا میں تو ماں کی گود سب سے اچھّی چیز ہوتی ہے۔

اب میں نے فضلو سے بدلہ لینے کی ٹھانی۔ میں جانتا تھا کہ کتنا ہی چُھپ کر کوئی بات کیوں نہ کروں فضلو کو ضرور خبر ہوجائے گی۔ عجب طرح کی فکر تھی۔ فضلو کا ڈر۔ بدلہ لینے کی دُھن۔ مٹّی کھانے کی چاٹ۔ یہ تین بلائیں ایک طرف اور دوسری طرف ایک میں بے وقوف۔ میں سوچتا رہا۔

مٹّی کھا لینے کے بعد ڈر پیدا ہوا، ڈر سے بزدلی۔ فضلو سو رہا تھا، پگڑی سرہانے رکھی تھی۔ میں نے چُپکے سے جا کر اس کی پگڑی سے اپنا منھ صاف کیا۔ مٹّی کے دھبّے دیکھ کر جی خوش ہوگیا کہ فضلو سے بدلہ لے لیا۔ کچھ دیر ٹھہر کر دل ہی دل میں خوش ہوا لیکن جلد ہی کچھ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے یہ دھبّے عجیب عجیب طرح منھ بنا کر فضلو سے شکایت کر رہے ہوں۔ میں وہاں سے بھاگا گھر میں سب سو رہے تھے۔ ماں کی چارپائی پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں لیکن فضلو کی پگڑی کے دھبّے ناچتے تھرکتے قلابازیاں کھاتے آنکھیں بند کرنے پر بھی دکھائی دینے لگتے۔ بچّو! تم کو نہیں معلوم جس چیز کو دیکھنا نہ چاہو اور وہ آنکھ بند کرنے پر بھی دکھائی دے تو طبیعت کیسی پریشان ہوتی ہے۔

گھبرا کر میں نے اپنے ہاتھ پاؤں، چہرے سب کو سمیٹ کر ماں کے سینے سے لگا دیا اور سو گیا۔ ڈر اور تکلیف میں ماں سے چمٹ کر سونا بھی کیسی نعمت ہے۔ ماں کا سہارا نصیب ہو تو دنیا کے تمام فضلوؤں اور اِن کی پگڑی کے داغ دھبّوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

سو کر اُٹھا تو سوچ میں ڈوب گیا کہ فضلو کی پگڑی کے داغ دھبّے کا واقعہ میرے جاگتے میں ہوا تھا یا سونے میں۔ لیکن مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے والدہ سے کہا: امّاں! فضلو کو گھر سے نکال دیجیے۔ انھوں نے وجہ پوچھی تو میں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ فضلو مٹّی کھاتا ہے اور پگڑی سے منہ پونچھتا ہے۔ مٹّی کھانے سے اُس کا منہ میلا اور بدبودار ہوگیا ہے۔ دیکھیے میرا منہ کتنا صاف ہے۔ میں نے یہ فقرہ بے وقوفی سے کہہ دیا اور کہا ہی نہیں بلکہ منہ کھول دیا۔ اب تم جانتے ہو بے سوچے سمجھے منہ کھولنا بے وقوفی ہے۔ ماں نے دیکھا مٹی کھانے سے زبان، دانت، ہونٹ سارے میلے ہو رہے ہیں۔

اتنے میں فضلو نے دروازے پر سے آواز دی۔ ''بی بی دیکھیے پگڑی کا ستیاناس ہوگیا۔'' اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ میں تھا، فضلو کی پیٹھ تھی اور مسجد کا سفر۔

(رشید احمد صدیقی)

© NCERT not to be republished

مشق

● لفظ و معنی

تپسّیا	:	ریاضت، محنت
سجود	:	سجدہ کی جمع
تعظیم	:	ادب احترام
گھاٹا	:	نقصان
نعمت	:	اچھّی چیز
صدر دروازہ	:	بڑا پھاٹک
گستاخی	:	بے ادبی، احترام میں کمی
فلسفی	:	گہری سوچ میں رہنے والا عالم
خسارہ	:	نقصان
سروکار	:	واسطہ، تعلق
وصیت	:	مرنے سے پہلے کی گئی ہدایت
ہکّا بکّا رہ جانا	:	حیران ہو جانا
نعرہ	:	چیخ کر کچھ کہنا، بولنا
قلابازی	:	اُچھل کود

● سوالات

1۔ مصنف رو رو کر والدین سے کیوں شکایت کرتا تھا؟

© NCERT not to be republished

2۔ رشید احمد صدیقی کو بچپن میں کن کن غلطیوں یا شرارتوں پر مسجد میں قید کیے جانے کی سزا ملی؟

3۔ مصنّف کو فضلو سے نفرت کیوں ہوگئی تھی؟

4۔ سبق کے آخر میں مصنف نے اپنی کس بے وقوفی کا ذکر کیا ہے؟

● زبان وقواعد

(الف) نیچے لکھے ہوئے محاوروں کے معنی بتائیے اور انھیں جملوں میں استعمال کیجیے:

کانوں کان خبر نہ ہونا　　تال سُر ٹھیک نہ ہونا　　منہ کھولنا　　چغلی کھانا

آپے سے باہر ہونا　　ہکّا بکّا رہ جانا

(ب) جب میں تم سے بھی چھوٹا تھا، شاید تمھارے چھوٹے بھائی کے برابر میں نے شرارت کبھی نہیں کی۔

انھوں نے وجہ پوچھی تو میں نے کہا، ''مٹّی کھانے سے اس کا منہ میلا اور بدبودار ہوگیا ہے۔ دیکھیے میرا منہ کتنا صاف ہے۔

ان جملوں میں میں، تم، تمھارے، انھوں نے، اس کا، میرا، ایسے لفظ ہیں جو اسم کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ انھیں ''ضمیر'' کہتے ہیں۔ ضمیر کی تین شکلیں ہیں:

(1) ضمیر متکلّم : متکلّم کے معنی ہیں بات کرنے والا۔ بات کرنے والا اپنے لیے جو لفظ استعمال کرتا ہے اسے ضمیر متکلّم کہتے ہیں۔

جیسے: میں، میرا، مجھے، مجھ کو، ہم، ہمارا، ہمیں، ہم کو

(2) ضمیر حاضر : بات کرنے والا اپنے مخاطب (سامنے موجود شخص) کے لیے جو لفظ استعمال کرتا ہے اسے ''ضمیر حاضر'' کہتے ہیں۔

جیسے: تو، تیرا، تجھے، تجھ کو، تم، تمھارا، تمھیں، تم کو، آپ، آپ کو

(3) ضمیر غائب: بات کرنے والا غیر موجود شخص کے لیے جو لفظ استعمال کرتا ہے، اسے ''ضمیر غائب'' کہتے ہیں۔

جیسے: وہ اس کا، اُسے، اس کو، ان کا، انھیں، ان کو

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

اس انشائیے میں مصنّف نے بچپن کی شرارتوں اور معصومانہ سوچ کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ پڑھنے والوں کو بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔

عملی کام

اپنے بچپن کے کچھ واقعات لکھیے۔

© NCERT not to be republished

افسانہ

افسانہ اردو ادب کی ایک مشہور صنف ہے۔ تیزی سے بدلتے ہوئے زمانے کا ساتھ دینے اور دماغی طور پر مصروف رہنے والوں کے لیے 'مختصر افسانہ' ناول اور داستان سے زیادہ کشش رکھتا ہے۔ مختلف نقّادوں نے افسانے کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ ایک نقّاد نے کہا ہے کہ افسانہ ایسی نثری کہانی ہے جو ایک ہی نشست میں پڑھی جا سکے۔ ایک اور نقاد کا کہنا ہے کہ افسانے میں بنیادی چیز وحدتِ تاثّر ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ افسانے کے فن میں بھی تبدیلی آئی ہے۔

ایک اچھا افسانہ اختصار کے ساتھ زندگی کے کسی گوشے کو قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ مختصر ہونے کی وجہ سے افسانے میں جھول ہونے کے امکانات بھی کم ہوتے ہیں۔ افسانہ نگار کا مشاہدہ اور انسانی نفسیات کا مطالعہ گہرا ہونا چاہیے۔ کردار ایسے ہوں جو ہماری زندگی اور ہمارے تجربوں سے مطابقت رکھتے ہوں۔

اردو کے افسانہ نگاروں میں پریم چند، علی عباس حسینی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، غلام عباس، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین بہت اہم ہیں۔ ان کے بعد نئے افسانہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد بھی سامنے آ چکی ہے۔

© NCERT not to be republished

رتن سنگھ

(1927)

رتن سنگھ قصبہ داؤد، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ایک مقامی اسکول میں میٹرک تک تعلیم پائی۔ تقسیمِ وطن کے بعد ہندوستان منتقل ہوگئے۔ 1962 میں آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہو گئے۔ اپنی ملازمت کے دوران انھوں نے جالندھر، بھوپال، لکھنؤ، جبل پور اور سری نگر جیسے شہروں میں قیام کیا۔

اسکول کے زمانے ہی سے اردو فکشن کی طرف راغب ہوگئے تھے۔ یہ رغبت بہت جلد افسانہ نگاری میں منتقل ہوگئی۔ 'پہلی آواز'، 'پنجرے کا آدمی'، 'کاٹھ کا گھوڑا' اور 'پناہ گاہ' ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ ان کے دو ناولٹ 'دربدری' اور 'اڑن کھٹولہ' اور ایک طویل سوانحی نظم 'ہڈ بیتی' اردو اور پنجابی میں شایع ہوچکی ہے۔ رتن سنگھ نے بڑی تعداد میں منی کہانیاں بھی لکھیں اور کئی پنجابی کہانیوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔

رتن سنگھ کا شمار ترقی پسند افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے افسانے مختصر سادہ اور موثر ہوتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں پنجاب کی زندگی اور وہاں کی تہذیب کا عکس نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

رتن سنگھ کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں کئی ریاستی اور قومی سطح کے انعامات واعزازات سے نوازا گیا ہے۔

© NCERT not to be republished

ہزاروں سال لمبی رات

سُننے والے اُس کی بات بڑے انہماک سے سُن رہے تھے۔ حالاں کہ سنانے والا، جو ان کے بیچ بیٹھا ہوا تھا، بالکل اوٹ پٹانگ باتیں کر رہا تھا۔ ان میں کہیں تسلسل نہیں تھا۔ بات کرتا کرتا وہ خود بہک جاتا، جیسے راہ چلتا مسافر اپنی راہ سے بھٹک کر کسی غلط راستے پر چلنے لگے۔ ایک بات ادھوری ہی چھوڑ کر وہ کسی دوسری بات کا سرا پکڑ لیتا۔ اس طرح رات بہت دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔

وہ سب کے سب ریلوے اسٹیشن کی طرف جانے والے بازار کی ایک دُکان کے برآمدے میں آ کر رات کاٹنے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب اُن میں سے سب سے بوڑھے آدمی نے گلا صاف کرتے ہوئے کسی راجہ کی بات شروع کی تو اس برآمدے میں لیٹے ہوئے سب کے سب آدمی ہنکاری بھرنے لگے۔

''ہوں، پھر کیا ہوا بابا!''

بس پھر کیا تھا بات چل نکلی۔

''ایک بادشاہ تھا۔اس کی سات رانیاں تھیں۔ ساتوں رانیوں کے لیے بادشاہ نے الگ الگ محل بنوائے۔ایک لکڑی کا دوسرا اینٹ گارے کا، تیسرا سنگِ مرمر کا، چوتھا تانبے کا، پانچواں چاندی کا، چھٹا سونے کا اور ساتویں میں ہیرے جواہرات جڑے تھے۔''

''بالکل ٹھیک۔'' کسی نے ہنکاری بھری۔

''اتنی دولت ہونے پر بھی بادشاہ کے یہاں اولاد نہیں تھی۔ اس لیے وہ بہت دُکھی تھا۔ بادشاہ کو آخر کسی نے رائے دی کہ فلاں جنگل میں ایک پیڑ ہے۔ اس پیڑ پر سات پھل لگے ہیں۔ اگر بادشاہ پھلوں کو توڑ کر اپنی رانیوں کو کھلائے تو سب کو اولاد ہوجائے گی لیکن مصیبت یہ تھی کہ اُس پیڑ تک پہنچنا مشکل تھا۔ راستے میں سات دریا پڑتے تھے اور سات دیووں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور پیڑ کے گرد سات سانپوں کا زبردست پہرا تھا لیکن بادشاہ بھی اپنی دُھن کا پکّا تھا۔ وہ اپنا لاؤلشکر لے کر چل پڑا۔''

بات ابھی یہیں تک پہنچی تھی کہ بوڑھے کو کھانسی کا دورہ پڑا۔ جب اُس کی سانس درست ہوئی تو وہ لیٹ گیا اور لیٹ کر اُس نے ایک دوسری بات چلادی۔

بوڑھے نے کہا: ''بڑی پرانی بات ہے۔ ایک کاری گر نے ایک ایسا ڈنڈا بنایا جس کے اندر ایک آدمی بیٹھ سکتا تھا۔ اس طرح وہ ڈنڈا آدمیوں کی طرح بولتا تھا، چلتا تھا اور کھاتا پیتا تھا۔''

''ٹھیک۔ٹھیک''۔سب نے مل کر ہُنکارا!

پھر اچانک یہ ہوا کہ رکشوں اور تانگوں کا ریلا شور مچاتا ہوا سڑک پر سے گزرنے لگا۔شاید اسٹیشن پر کوئی مسافر گاڑی رکی تھی۔ اس لیے بوڑھا تھوڑی دیر رکا۔ پھر اس نے ایک مچھلی کی بات شروع کردی جو اتنی بڑی تھی کہ اُس کی پیٹھ پر باقاعدہ ایک شہر بسا ہوا تھا جس پر نہ معلوم کتنے ہی مکان بنے ہوئے تھے، کتنے ہی کھیت تھے۔ سمندر میں جس طرف یہ مچھلی جاتی اس طرف یہ بسا بسایا شہر چلا جاتا!

''بالکل ٹھیک''۔سب نے پھر ہنکاری بھری۔

اس طرح رات نہایت آہستہ آہستہ کھسک رہی تھی۔ بوڑھا باتیں کیے جارہا تھا اور وہ سب کے سب بڑے غور سے سُن رہے تھے۔ پھر کسی بات کو ادھوری ہی چھوڑ کر بوڑھے نے ایک نئی بات شروع کی!

''ہزاروں سال پہلے کی بات ہے کہ بادشاہ نے آدھی دنیا فتح کرلی۔''

پھر؟

© NCERT not to be republished

''پھر اس خوشی میں بادشاہ نے ایک بہت بڑی دعوت دی۔''

پھر، پھر؟

''پھر کیا، اتنا کھانا بنایا گیا کہ بادشاہ کے شہر کے سارے مکانوں میں کھانا بنا کر رکھا گیا۔

پھر، پھر، پھر؟ سبھی آدمی ایک ساتھ ہنکاری بھر رہے تھے۔

بوڑھے نے کہنا شروع کیا: ''سب سے پہلے بادشاہ اور اس کے رشتے داروں نے کھانا کھایا۔''

''ٹھیک۔''

''پھر بادشاہ کے سینکڑوں امیروں اور وزیروں نے کھانا کھایا۔''

''ٹھیک۔''

''اتنے لوگوں کے کھانا کھاتے کھاتے رات ہوگئی۔''

''ٹھیک۔''

''اور سب کے بعد رات کے وقت لاکھوں غریب، غربا اور فقیروں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔''

''بالکل جھوٹ! بالکل جھوٹ۔''

اس برآمدے میں لیٹے ہوئے سبھی آدمی احتجاجاً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اور ان میں سے ایک آدمی بولا: ''بوڑھے! تجھے جھوٹی باتیں کرتے شرم نہیں آتی۔ اگر ہم نے رات کو پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہوتا تو اس وقت چین کی نیند نہ سوئے ہوتے۔ رات بھر تمھاری یہ بکواس کون سنتا؟''

''اے بھائی! ناراض کیوں ہوتے ہو؟''

بوڑھے نے کچھ سہمی ہوئی آواز میں کہا: ''میں بھی تمھاری طرح بھوکا ہوں۔ اگر مجھے بھی نیند آرہی ہوتی تو یہ باتیں کرنے کے لیے جاگتا ہوتا؟ میں بھی تو سوجاتا۔''

(رتن سنگھ)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

انہماک	:	غور، توجہ
اوٹ پٹانگ	:	بے تکی
تسلسل	:	سلسلہ وار
لاؤلشکر	:	فوج
فتح	:	جیت
غربا	:	غریب کی جمع
احتجاجاً	:	کسی ناپسندیدہ یا غیر مناسب بات کے خلاف آواز اٹھانا

سوالات

1۔ بوڑھے نے اپنے ساتھیوں کو کون کون سے قصّے سنائے؟

2۔ کہانی سناتے سناتے بوڑھا کیوں رک گیا؟

3۔ بادشاہ نے ایک بہت بڑی دعوت کیوں کی؟

4۔ بوڑھے کے سارے ساتھی اسے جھوٹا کیوں ثابت کر رہے تھے؟

5۔ اپنے ساتھیوں کے احتجاج پر بوڑھے نے کیا جواب دیا؟

زبان و قواعد

• (الف) ایک بادشاہ تھا اس کی سات رانیاں تھیں ۔ساتوں رانیوں کے لیے بادشاہ نے الگ الگ محل بنوائے ۔ ایک لکڑی کا ،دوسرا اینٹ گارے کا، تیسرا سنگِ مرمر کا، چوتھا تانبے کا، پانچواں چاندی کا، چھٹا سونے کا

© NCERT not to be republished

اور ساتویں میں ہیرے جواہرات جڑے تھے۔

- پیڑ پر سات پھل لگے تھے۔اس پیڑ تک پہنچنا مشکل تھا۔ راستے میں سات دریا پڑتے تھے اور سات دیووں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور پیڑ کے گرد سات سانپوں کا زبردست پہرہ تھا۔

ان جملوں میں دیکھیے جگہ جگہ ان صفات کا ذکر ہے جن سے اسم کی تعداد ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے سات رانیاں ،ساتوں رانیوں وغیرہ۔

صفت کی یہ قسم جس میں کسی اسم کی تعداد ظاہر ہو''صفتِ عددی'' کہلاتی ہے۔

جیسے پانچ دن، چند کتابیں، دس گھوڑے، تھوڑے لوگ۔صفت کی اور بھی قسمیں ہیں۔

صفتِ نسبتی : وہ صفت جس میں کسی اسم سے کوئی نسبت یا تعلق پایا جائے اسے صفتِ نسبتی کہتے ہیں۔

جیسے ہندوستانی تہذیب، کشمیری شال، ترکی ٹوپی وغیرہ۔

صفتِ مقداری: وہ صفت جو کسی چیز کی مقدار، ناپ یا وزن کو ظاہر کرے اسے صفتِ مقداری کہتے ہیں۔جیسے مٹھی بھر چاول، چٹکی بھر نمک، پاؤ بھر چینی، دو لیٹر تیل، پانچ میٹر کپڑا۔

(ب) نیچے لکھے ہوئے جملوں میں ضمیر متکلّم ،ضمیر حاضر اور ضمیر غائب کی نشاندہی کیجیے۔

(i) اس نے مچھلی کی بات شروع کر دی۔ وہ اتنی بڑی تھی کہ اس کی پیٹھ پر ایک شہر بسا ہوا تھا۔

(ii) میں بھی تمھاری طرح بھوکا ہوں ۔اگر مجھے بھی نیند آ رہی ہوتی تو یہ باتیں کرنے کے لیے جاگتا ہوتا؟

(ج) نیچے دیے گئے محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

اوٹ پٹانگ باتیں کرنا دُھن کا پکّا ہونا چین کی نیند سونا رات کاٹنا

(د) نیچے دیے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے۔

باقاعدہ فتح شروع غریب جھوٹ غلط

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

دنیا میں اگر کسی کو کوئی دکھ درد نہ ہو اور اسے دو وقت پیٹ بھر کر کھانا مل جائے تو اسے چین کی نیند آجاتی ہے لیکن بھوکے آدمی کو نیند کیسے آسکتی ہے؟

عملی کام

اپنے اسکول میں منعقد ہونے والی کسی تقریب میں اس افسانے کو ڈرامے کے طور پر اسٹیج پر پیش کیجیے۔

© NCERT not to be republished

کرشنا سوبتی

(1925)

کرشنا سوبتی گجرات (موجودہ مغربی پنجاب، پاکستان) میں پیدا ہوئیں۔ وہ ہندی ادب کی ایک مشہور مُصنّفہ ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کم لکھنا ہی معیار کی علامت ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تحریریں دلچسپ اور معیاری ہوتی ہیں۔ انھوں نے کئی ایسے کردار تخلیق کیے ہیں جو ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

جن ادیبوں نے ہندو پاک کی تہذیبی زندگی کو موضوع بنایا ہے ان میں کرشنا سوبتی کا نام قابلِ ذکر ہے۔

'زندگی نامہ'، 'دل و دانش'، 'اے لڑکے'، 'سمیے سرگرم'، 'ڈار سے بچھڑی'، 'بادلوں کے گھیرے'، 'سُورج مُکھی اندھیرے کے' اور 'ہم حشمت' ان کی اہم کتابیں ہیں۔ کرشنا سوبتی کو ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں 'ساہتیہ اکادمی اعزاز' ہندی اکادمی کا 'شلا کا سمّان' اور دیگر قومی انعامات دیے جا چکے ہیں۔

© NCERT not to be republished

میاں نصیرالدّین

صاحبو! اس روز ہم مٹیا محل کی طرف سے نہ گزرتے تو سیاست، ادب اور فن کے ہزارہا مسیحاؤں کے دھوم دھڑکے میں نان بائیوں کے مسیحا میاں نصیرالدین کو کیسے پہچانتے؟ اور کیسے اٹھاتے لطف ان کی مسیحائی کے انداز کا؟

ہوا یہ کہ ہم ایک دوپہر جامع مسجد سے لگے ہوئے محلّے مٹیا محل کے گڑھیّے محلّے کی طرف نکل گئے۔ ایک نہایت معمولی اندھیری سی دوکان پر پٹاپٹ آٹے کا ڈھیر گندھتے دیکھ کر ٹھٹکے۔ سوچا، سوئیوں کی تیاری ہوگی۔ مگر پوچھنے پر معلوم ہوا خاندانی نان بائی میاں نصیرالدین کی دوکان پہ کھڑے ہیں۔ میاں مشہور ہیں، چھپن قسم کی روٹیاں بنانے کے لیے۔

ہمیں گاہک سمجھ کر میاں نے نظر اٹھائی..... ''فرمایئے!''

جھجک کر کہا..... ''آپ سے کچھ سوال پوچھنے تھے۔ آپ کو وقت ہو تو.....''

میاں نصیرالدین نے پنج ہزاری انداز میں سر ہلایا..... ''نکال لیں گے تھوڑا وقت۔ مگر یہ تو کہیے کہ آپ کو پوچھنا کیا ہے؟''

پھر گھوُر کر دیکھا اور بولے..... ''میاں! کہیں اخبار نویس تو نہیں ہو؟ یہ تو کھوجیوں کی خرافات ہے۔ ہم تو اخبار بنانے

والے اور اخبار پڑھنے والے، دونوں کو ہی نکمّا سمجھتے ہیں۔ ہاں! کام کا جی آدمی کو اس سے کیا غرض؟ خیر! آپ نے یہاں تک آنے کی زحمت اٹھائی ہی ہے تو پوچھیے، کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

''پوچھنا یہ تھا کہ قسم قسم کی روٹیاں پکانے کا علم آپ نے کہاں سے حاصل کیا؟''

میاں نصیرالدین نے آنکھوں کے ڈھیلے ہم پر جما دیے۔ پھر تریر کر بولے۔''کیا مطلب؟ بھلا بتایئے صاحب، نان بائی علم حاصل کرنے کے لیے کہیں اور جائے گا؟ کیا نگینہ ساز کے پاس؟ کیا آئینہ ساز کے پاس؟ کیا میناساز کے پاس؟ کیا فرمایا صاحب؟ یہ تو ہمارا خاندانی پیشہ ٹھہرا۔ ہاں علم کی بات پوچھیے تو جو کچھ بھی سیکھا اپنے والد استاد سے ہی۔ مطلب یہ کہ ہم گھر سے نہیں نکلے کہ کوئی پیشہ اختیار کریں گے۔ جو باپ دادا کا ہنر تھا وہی ان سے پایا اور والد مرحوم کے اُٹھ جانے پر آبیٹھے اُنھیں کے ٹھیے پر!''

''آپ کے والد؟''

میاں نصیرالدین کی آنکھیں پل بھر کے لیے کسی بھٹّی میں گُم ہوگئیں۔ لگا گہری سوچ میں ہیں۔ پھر سر ہلایا.....''کیا آنکھوں کے سامنے چہرہ زندہ ہوگیا! ہاں! ہمارے والد صاحب مشہور تھے میاں برکت شاہی نان بائی گڑھیّا والے کے نام سے۔ اور ان کے والد یعنی کہ ہمارے دادا صاحب تھے اعلیٰ نان بائی میاں کلّن!''

''آپ کو ان دونوں میں سے کسی کی کوئی نصیحت یاد ہے؟''

''نصیحت کاہے کی میاں! کام، کرنے سے آتا ہے، نصیحتوں سے نہیں، ہاں!''

''بجا فرمایا ہے۔ مگر یہ تو بتایئے کہ جب آپ (ہم نے بھٹّی کی طرف اشارہ کیا) اس کام پر لگے تو والد صاحب نے کچھ نہ کچھ ہدایت تو دی ہوگی!''

نصیرالدین صاحب نے جلدی جلدی دو تین کش کھینچے۔ پھر گلا صاف کیا اور بڑے انداز سے بولے.....''اگر آپ کو کچھ کہلوانا ہی ہے تو بتائے دیتے ہیں۔ آپ جانیں، جب بچّہ استاد کے یہاں پڑھنے بیٹھتا ہے تو استاد کہتا ہے.....''کہہ الف!''

بچّہ کہتا ہے.....''الف''

استاد کہتا ہے.....''کہہ ب''

بچّہ کہتا ہے.....''ب''

''کہہ جیم!''

بچّہ کہتا ہے.....''جیم''

© NCERT not to be republished

''اس دوران استاد زور کا ایک ہاتھ سر پر رکھتا ہے اور شاگرد چپ چاپ سہہ جاتا ہے۔ سمجھے صاحب! ایک تو پڑھائی اس طرح ہوتی ہے۔ اور دوسری .....'' بات بیچ میں چھوڑ کر سامنے سے گزرنے والے میر صاحب کو آواز دے ڈالی ..... ''کہو بھائی میر صاحب! صبح نہ آنا ہوا۔ مگر کیوں؟''

میر صاحب نے سر ہلایا ..... ''میاں! ابھی لوٹ کر آتے ہیں تو بتائیں گے۔''

''آپ دوسری پڑھائی کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے نا؟''

اس بار میاں نصیرالدین نے یوں سر ہلایا جیسے سقراط ہوں ..... ہاں! ایک دوسری پڑھائی بھی ہوتی ہے۔ سنیے! اگر بچّے کو بھیجا مدرسے تو بچّے .....

نہ کچّی میں بیٹھا

نہ پکّی میں بیٹھا

نہ دوسری میں۔

اور جو جا بیٹھا تیسری میں۔ ہم یہ پوچھیں گے کہ ان تین جماعتوں کا کیا ہوا؟ کیا ہوا ان تین کلاسوں کا؟''

اپنا خیال تھا کہ میاں نصیرالدین نانبائی اپنی بات کا نچوڑ بھی نکالیں گے مگر وہ ہم ہی پر نشانہ سادھتے رہے۔ ''آپ ہی بتایئے ..... ان دو تین جماعتوں کا ہوا کیا؟''

''یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے۔''

اس بار شاہی نان بائی میاں کلّن کے پوتے اپنے بچے کُھچے دانتوں سے کھلکھلا کر ہنس دیے۔

''مطلب میرا کیا صاف نہ تھا۔ لو صاحبو! ابھی صاف ہوا جاتا ہے۔ ذرا سی دیر کو مان لیجیے.....

ہم برتن دھونا نہ سیکھتے

ہم بھٹّی بنانا نہ سیکھتے

بھٹّی کو آنچ دینا نہ سیکھتے

تو کیا ہم سیدھے سیدھے نانبائی کا ہنر سیکھ جاتے؟''

میاں نصیرالدین نے ہماری طرف کچھ اس طرح دیکھا کہ جیسے اُنھیں ہم سے جواب طلب کرنا ہو۔ پھر بڑے ہی منجھے ہوئے انداز میں کہا ..... کہنے کا مطلب صاحب یہ ہے کہ تعلیم کی تعلیم بھی بڑی چیز ہوتی ہے!''

© NCERT not to be republished

سر ہلایا..... ''ہے صاحب! مانا۔''

میاں نصیرالدین جوش میں آ گئے۔ ''ہم نے نہ لگایا ہوتا خوانچہ تو آج کیا یہاں بیٹھے ہوتے؟''

میاں کو خوانچے والے دنوں میں بھٹکتے دیکھ کر ہم نے بات کا رخ موڑا..... ''آپ نے خاندانی نان بائی ہونے کا ذکر کیا۔ کیا یہاں اور بھی نان بائی ہیں؟''

میاں نے گھور کر ہماری طرف دیکھا..... ''بہتیرے ہیں۔ مگر خاندانی نہیں۔ سنیے۔ دماغ میں چکّر کاٹ گئی ہے ایک بات۔ ہمارے بزرگوں سے بادشاہ سلامت نے یوں کہا..... میاں نان بائی! کوئی نئی چیز کھلا سکتے ہو؟''

''حکم دیجیے، جہاں پناہ!''

بادشاہ سلامت نے فرمایا..... ''کوئی ایسی چیز بناؤ جو نہ آگ سے پکے، نہ پانی سے بنے۔''

''کیا ان سے بنی ایسی چیز؟''

''کیوں نہ بنتی صاحب۔ بنی اور بادشاہ سلامت نے خوب کھائی۔ اور خوب سراہی!''

ایسا لگا کہ ہمارا آنا کچھ رنگ لایا چاہتا ہے۔ بے صبری سے پوچھا..... ''وہ پکوان کیا تھا..... کوئی خاص چیز رہی ہوگی!''

میاں کچھ دیر سوچ میں کھوئے رہے۔ سوچا پکوان پر روشنی ڈالنے والے ہیں۔ مگر نصیرالدین صاحب اچانک بڑی رکھائی سے بولے..... ''ہم نہ بتاویں گے۔ بس آپ اتّا سمجھ لیجیے کہ ایک کہاوت ہے نا کہ خاندانی نان بائی کنوئیں میں بھی روٹی پکا سکتا ہے۔ کہاوت جب بھی گڑھی گئی ہو۔ ہمارے بزرگوں کے کرتب پر ہی پوری اترتی ہے۔''

مزہ لینے کے لیے ٹوکا ''کہاوت یہ سچّی بھی ہے کہ.....؟''

میاں نے اترا کر کہا..... ''اور کیا جھوٹی ہے؟ آپ ہی بتایئے روٹی پکانے میں جھوٹ کا کیا کام؟ جھوٹ سے روٹی پکے گی! کیا پکتی دیکھی ہے کبھی۔ روٹی جناب پکتی ہے آنچ سے، سمجھے!''

سر ہلانا پڑا..... ''درست فرماتے ہیں۔''

اس دوران میں میاں نے کسی اور کو پُکار لیا..... ''میاں رحمت! اس وقت کدھر کو؟ ارے وہ لونڈیا نہ آئی رومالی لینے۔ شام کو منگوالیجو!''

''میاں، ایک بات اور آپ کو بتانے کی زحمت اٹھانی پڑے گی۔''

میاں نے ایک اور بیڑی سلگالی تھی، سو ذرا چُستی آ گئی تھی۔ بولے ''پوچھیے۔ ارے بات ہی تو پوچھیے گا۔ جان تھوڑی لے

© NCERT not to be republished

لیں گے! اس میں بھی اب کیا دیر! ستّر کے ہو چکے۔'' پھر جیسے اپنے آپ سے کہہ رہے ہوں..... ''والد مرحوم نے تو کوچ کیا اسّی پر۔ مگر کیا پتا، اتنی مہلت ہمیں بھی ملے نہ ملے۔''

اس مضمون پر ہم سے کچھ کہتے نہ بن آیا تو کہا: ''ابھی یہی جاننا تھا کہ آپ کے بزرگوں نے شاہی باورچی خانے میں تو کام کیا ہی ہوگا؟'' میاں نے بے رُخی سے ٹوکا..... ''وہ بات تو پہلے ہو چکی نا!''

''ہو تو چکی صاحب، مگر جاننا یہ تھا کہ دلّی کے کس بادشاہ کے یہاں آپ کے بزرگ کام کیا کرتے تھے؟''

''اجی صاحب! کیوں بال کی کھال نکالنے پر تلے ہیں؟ کہہ دیا نا کہ بادشاہ کے یہاں کام کرتے تھے۔ بس یہ کافی نہیں؟''

ہم کھسیانی ہنسی ہنس دیے۔ ہے تو کافی، مگر نام لیتے تو اُسے وقت سے ملا لیتے!''

''وقت سے ملا لیتے، خوب! مگر کسے ملاتے جناب آپ وقت سے؟''

میاں ہنس پڑے جیسے ہمارا مذاق اڑا رہے ہوں۔

''وقت کو وقت سے کس نے ملایا ہے آج تک! خیر! پوچھیے کس کا نام جاننا چاہتے ہیں؟ دلّی کے بادشاہ کا ہی نا؟ ان کا نام کون نہیں جانتا۔ جہاں پناہ بادشاہ سلامت ہی نا!''

''کون سے؟ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کہ.....''

میاں نے زچ ہو کر کہا..... پھر الٹ پلٹ کر وہی بات۔ لکھ لیجیے بس یہی نام۔ آپ کو کون سا خط رقعہ بادشاہ کے نام بھیجنا ہے کہ ڈاک خانے والوں کے لیے صحیح نام پتا ضروری ہے!''

ہم کو اپنی طرف گھورتے دیکھا تو سر ہلا کر اپنے کاریگر سے بولے ارے او بنّن میاں! بھٹّی سُلگا دو تو کام سے نپٹیں!''

''یہ بنّن میاں کون ہیں صاحب؟''

میاں نے رکھائی سے جیسے بھانک ہی کاٹ دی ہو۔ ''اپنے کاریگر اور کون؟''

من میں آیا کہ پوچھ لیں ''آپ کے بیٹے بیٹیاں ہیں؟''

لیکن میاں نصیر الدین کے چہرے پر کسی دبے ہوئے اندھڑ کے آثار دیکھ کر یہ مضمون نہ چھیڑنے کا فیصلہ کیا۔ اتنا ہی کہا..... ''یہ کاریگر لوگ آپ کی شاگردی کرتے ہیں؟''

''خالی شاگرد ہی نہیں صاحب! گُن کے مزدوری دیتا ہوں۔ دو روپے من آٹے کی مزدوری۔ چار روپے من میدے کی مزدوری۔ ہاں!''

© NCERT not to be republished

''زیادہ تر بھٹّی پر کون سی روٹیاں پکا کرتی ہیں؟''

میاں کو اب تک اس مضمون سے کوئی دل چسپی باقی نہ رہی تھی، پھر بھی ہم سے چھٹکارا پانے کے لیے بولے..... ''باقر خانی، شیر مال، تافتان، بیسنی، خمیری، رومالی، گاؤ دیدہ، گاؤزبان، تُنکی۔''

پھر تیوری چڑھا کر ہمیں گھورتے ہوئے بولے ..... ''تُنکی پاپڑ سے زیادہ مہین ہوتی ہے۔ مہین۔ ہاں! کسی دن کھلائیں گے آپ کو۔''

یکا یک میاں کی آنکھوں کے سامنے کچھ کوند گیا۔ ایک لمبی سانس بھری اور کسی گم شدہ یاد کو تازہ کرتے ہوئے بولے..... ''اٹھ گئے وہ زمانے۔ اور گئے وہ قدر دان جو پکانے کھانے کی قدر کرنا جانتے تھے۔ میاں اب رکھا کیا ہے..... نکالی تندور سے..... نگلی اور ہضم!''

(کرشنا سوبتی)

(ہندی سے ترجمہ)

مشق

● لفظ و معنی

مسیحا	:	دوبارہ زندگی دینے والا، مراد بھلائی چاہنے والا
نان بائی	:	روٹی بنانے والا
پنج ہزاری انداز	:	شاہانہ انداز
خرافات	:	بے کار باتیں
جوہری	:	ہیرے موتی کا پارکھ
مینا کار	:	نقش و نگار بنانے والا
ٹھیا	:	کام کرنے کی جگہ
بہتیرے	:	بہت سے

© NCERT not to be republished

بال کی کھال نکالنا (محاورہ) : بات سے بات پیدا کرنا، بلاوجہ بحث کرنا

کھسیانی ہنسی : شرمندگی کی ہنسی

زچ ہوکر : جھلاّ کر

سوالات

1۔ میاں نصیرالدین کس لیے مشہور تھے؟

2۔ روٹی پکانے کا ہنر میاں نصیرالدین نے کہاں سے سیکھا؟

3۔ میاں نصیرالدین کے بزرگوں نے کس بادشاہ کے یہاں کام کیا تھا؟

4۔ میاں نصیرالدین کتنے قسم کی روٹیاں بنانے میں ماہر تھے؟

5۔ کسی ہنر کو سیکھنے کے بارے میں میاں نصیرالدین نے کیا باتیں بتائیں؟

6۔ میاں نصیرالدین کے بزرگوں سے بادشاہ نے کیا پکانے کی فرمائش کی؟

زبان وقواعد

(الف) نیچے لکھے ہوئے جملوں کا مفہوم واضح کیجیے:

1۔ ''کام، کرنے سے آتا ہے نصیحتوں سے نہیں۔''

2۔ ''تعلیم کی تعلیم بھی بڑی چیز ہوتی ہے۔''

3۔ ''خاندانی نان بائی کنویں میں بھی روٹی پکا سکتا ہے۔''

(ب) نیچے دیے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

نشانہ سادھنا رنگ لانا بال کی کھال نکالنا تیوری چڑھانا

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

ہمارے ملک کے بہت سے علاقے اپنے کھانوں کے لیے مشہور ہیں۔ جیسے جنوبی ہند میں اڈلی ڈوسا، گجرات کا کھمن چوڑا، پنجاب کی کھیر، اور دہلی کی نہاری وغیرہ۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ کھانے اب ملک میں ہر جگہ شوق سے کھائے جاتے ہیں۔ اس بات سے ہمیں ثبوت ملتا ہے کہ ہمارے تہذیبی اختلاف میں بھی وحدت پائی جاتی ہے۔

عملی کام

نیچے دی ہوئی غیر درسی عبارت کو غور سے پڑھیے اور اس سے متعلق سوالات کے جواب تحریر کیجیے۔

''اگر آپ نے یہاں ہر حال میں خوش رہنے کا ہنر سیکھ لیا ہے تو یقین کیجیے کہ زندگی کا سب سے بڑا کام سیکھ لیا۔ اب اس کے بعد اس سوال کی گنجائش ہی نہیں رہی کہ آپ نے اور کیا کیا سیکھا۔ خود بھی خوش رہیے اور دوسروں سے بھی کہتے رہیے کہ اپنے چہروں کو غمگین نہ بنائیں۔ فرانسیسی اہلِ قلم کی ایک بات مجھے بہت پسند آئی:

خوش رہنا محض ایک طبعی احتیاج ہی نہیں ہے بلکہ ایک اخلاقی ذمّہ داری ہے۔ ہماری زندگی ایک آئینہ خانہ ہے۔ یہاں ہر چہرے کا عکس بیک وقت سیکڑوں آئینوں میں پڑنے لگتا ہے۔ اگر ایک چہرے پر غبار آ جائے گا تو سیکڑوں چہرے غبار آلود ہو جائیں گے۔ ہماری کوئی خوشی بھی ہمیں خوش نہیں رکھ سکے گی۔ ہمارے چاروں طرف غم ناک چہرے اکٹھے ہو جائیں گے۔ ہم خود خوش رہ کر دوسروں کو خوش کرتے ہیں اور دوسروں کو خوش دیکھ کر خود خوش ہونے لگتے ہیں۔''

1۔ مصنّف کے نزدیک زندگی کا سب سے بڑا کام کیا ہے؟

2۔ مصنف نے فرانسیسی اہلِ قلم کی کیا بات نقل کی ہے؟

3۔ ہماری زندگی ایک آئینہ خانہ ہے۔ اس سے مصنف کی کیا مراد ہے؟

4۔ ایک چہرے پر غبار آنے سے سیکڑوں چہرے کیسے غبار آلود ہو جائیں گے؟

© NCERT not to be republished

کولکتہ

کلکتّے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر میرے سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے

مرزا غالبؔ کے اس شعر سے کولکتہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔کولکتہ کو پہلے کلکتّہ کہا جاتا تھا۔ہگلی ندی کے کنارے آباد، ہندوستان کا یہ سب سے بڑا شہر ہے۔ آج اسے ریاستِ مغربی بنگال کی راجدھانی کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ شہر 1912 تک برٹش حکومت کا دار السّلطنت رہ چکا ہے۔کہا جاتا ہے کہ کولکتہ کا قیام ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جوب چارناک کے زمانے میں عمل میں آیا۔ انھوں نے ہگلی میں موجود کارخانے کو ستا ناری گاؤں میں منتقل کرکے 1638 میں مغلیہ حکومت سے گوند پور گاؤں خرید لیا تھا۔کارخانے کی ترقی کے ساتھ آبادی میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا۔اس طرح ایک بڑے شہر کولکتہ کی بنیاد پڑی۔

کولکتہ صرف مخصوص تہذیبی اور تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے ہی نہیں، بلکہ کئی وجہوں سے پوری دنیا میں مشہور ہے۔ انگریزوں کا بنایا ہوا قلعہ ''فورٹ ولیم'' آج فوجی چھاؤنی ہے۔ بہت پہلے اس عمارت میں ایک ایسے کالج کی بنیاد رکھی گئی تھی جس نے مشرقی علوم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

کولکتہ میں آج بھی انگریزوں کی یادگاریں موجود ہیں۔ ان کا بنایا ہوا ''ڈلہوزی اسکوائر'' سیاحت کا اہم مرکز ہے۔ اس کے چاروں جانب کئی تاریخی عمارتیں ہیں۔ ''رائٹرس بلڈنگ'' جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے کلرکوں کی رہائش گاہ تھی آج مغربی بنگال حکومت کا سیکریٹریٹ ہے۔ ڈلہوزی اسکوائر کے مشرق میں کولکتہ کا تجارتی مرکز، جنوب میں راج بھون، عقب میں سبھا بھون، ہائی کورٹ اور مغرب میں جنرل پوسٹ آفس کی شاندار عمارتیں ہیں۔

سنگ مرمر سے بنی ہوئی وکٹوریہ میموریل کولکتہ کی سب سے خوب صورت عمارت ہے۔ اس عمارت میں ملکہ وکٹوریہ کی تصویر اور دیگر قیمتی اشیا کے ساتھ ساڑھے تین ہزار انوکھی تصویریں محفوظ ہیں۔ یہ تصویریں تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہیں۔1874 میں بنائی گئی سینٹ پال کی گرجا گھر کی عمارت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔کولکتہ کی قابل دید چیزوں میں وہ عظیم پُل بھی شامل ہے جسے ''ہاوڑا برج'' کہا جاتا تھا لیکن اب اس کا نام روندر ناتھ ٹیگور کے نام پر ''روندر سیتو'' رکھا گیا ہے۔ بغیر ستون

کے بنا ہوا یہ عظیم پل تکنیکی فن کا ایسا بے مثال نمونہ ہے جسے دیکھ کر سیّاح دنگ رہ جاتے ہیں۔ کولکتہ کا ماربل پیلیس فن تعمیر کی اعلیٰ مثال ہے۔ یہاں برلا برادران کا بنوایا ہوا برلا تارا گھر (Planetarium) ہے جس کا شمار ایشیا کے سب سے بڑے تارا گھروں میں ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے سیّاروں اور ستاروں سے متعلق معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔

1875 میں اٹلی کی طرز پر بنا ہوا ''انڈین میوزیم'' ہندوستان کا سب سے بڑا عجائب گھر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف

فنون سے متعلق بے شمار حیرت انگیز نمونے موجود ہیں۔

ملک کا سب سے بڑا چڑیا گھر ''زولوجیکل گارڈن'' اور ''اسٹیڈیم'' ایڈن گارڈن'' کولکتہ میں ہی واقع ہیں۔ چڑیا گھر 1876 میں ویلس نے قائم کیا تھا جس میں موجود بے شمار چرند، پرند اور جانور سیاحوں کا دل جیت لیتے ہیں۔ یہاں کی نیشنل لائبریری مختلف زبانوں کی لاکھوں کتابوں سے آراستہ ہے۔'' سائنس سٹی'' میں سیر وتفریح کے ساتھ ساتھ سائنسی معلومات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔

اکواٹکا (Aquatica) سیاحوں کی تفریح کا خاص مرکز ہے۔ بیلور مٹھ بین الاقوامی رام کرشن مشن کا مرکزی دفتر یہیں پر ہے جسے 1899 میں سوامی رام کرشن پرم ہنس کے شاگرد، سوامی وویکانند نے تعمیر کرایا تھا۔ اس عمارت کی خوبی یہ ہے کہ مختلف زاویوں سے دیکھنے پر کبھی چرچ، کبھی مسجد اور کبھی مندر دکھائی دیتی ہے۔

شہر سے باہر شیو پور میں مغربی بنگال حکومت کے ذریعے بنائے گئے وسیع ''باٹا نیکل گارڈن'' میں طبی اہمیت کے حامل چالیس ہزار سے زیادہ پیڑ پودے ہیں۔ یہ گارڈن سیاحوں کے ساتھ ساتھ تحقیقی کام کرنے والوں کو بھی اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اس باغ میں برگد کا ایسا درخت بھی ہے جو ایک ہزار فٹ کے دائرے میں پھیلا ہوا ہے۔

نہرو میوزیم، سینٹرل ٹیلی گراف آفس، ہاؤڑا ریلوے اسٹیشن کا شمار بھی کولکتہ کی قابل دید عمارتوں میں ہوتا ہے۔ یہاں کے باغات بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ٹیگور کے شانتی نکیتن کی وجہ سے بھی یہ شہر ساری دنیا میں مشہور ہے۔ شانتی نکیتن نے اب وشو بھارتی یونیورسٹی کی شکل اختیار کرلی ہے جس میں مختلف علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کا معقول انتظام ہے۔ یہاں چلنے والی ٹرامیں اور میٹرو ٹرین جہاں سیاحوں کی دل چسپی کا خاص سامان ہیں، وہیں کولکتہ کے باشندوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کا آسان ذریعہ بھی ہیں۔

کالی گھاٹ روڈ پر واقع چورنگی یہاں کا بڑا اور مشہور بازار ہے۔ اس علاقے میں بنے ہوئے جدید سنیما گھر اور پانچ ستارہ ہوٹلوں کی فلک بوس عمارات شہر کے حسن کو دوبالا کرتی ہیں۔ چورنگی بازار سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر ہری گھاس کا میدان ہے جو کھلاڑیوں اور سیر تفریح کرنے والوں کے لیے مناسب ہے۔ اسی میدان کے ارد گرد بنے ہوئے ریس کورس، جادو گھر، رنجی اسٹیڈیم، روندر سدن، للت کلا اکادمی اور شہید مینار دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چورنگی کے علاوہ نیو مارکیٹ، شری رام مارکیٹ، فینسی مارکیٹ ایسے مشہور بازار ہیں جہاں ضرورت کا ہر سامان مل جاتا ہے۔

ٹالی گنج میں جو اب ٹالی ووڈ کہلاتا ہے، بڑے بڑے اسٹوڈیوز ہیں جن میں ہالی ووڈ اور بالی ووڈ کی طرح فلموں کی شوٹنگ

ہوتی ہے۔ چتر نجن ایونیو، باربن روڈ، ڈلہوزی اسکوائر، پارک اسٹریٹ، دھرم تلا، اسٹرینڈ روڈ، فیرلی پلیس، اولڈ کورٹ روڈ، بینک، دفاتر، ایشیاٹک سوسائٹی اور تجارتی مراکز ہونے کے سبب ان علاقوں کو شہر کا اہم حصہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

کولکتہ ہندوستان میں جوٹ کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس کے علاوہ یہاں چمڑا، لوہا، کاغذ، تیل، جوتے چپّل اور پلاسٹک کے سامان کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ بڑے اشاعتی اداروں کے سبب بھی یہ اپنی پہچان رکھتا ہے۔ ڈاب یعنی ناریل، کھجور اور چمڑے کا سامان یہاں کی مشہور اشیا ہیں۔

(ادارہ)

مشق

● لفظ و معنی

ہم نشیں	:	ساتھی، دوست
دارالسلطنت	:	راجدھانی
بین الاقوامی	:	مختلف قوموں کے درمیان، انٹرنیشنل
علوم	:	علم کی جمع
فنون	:	فن کی جمع، آرٹ
زاویہ	:	طریقہ، پہلو
قیام	:	قائم
منتقل	:	تبدیل کرنا
فروغ	:	ترقّی
سیاحت	:	سیر و تفریح
رہائش گاہ	:	رہنے کی جگہ، گھر

© NCERT not to be republished

عقب	:	پیچھے
سیّاح	:	سیر وتفریح کرنے والا
طبّی	:	علاج معالجے سے متعلق
ستون	:	کھمبا
جدید	:	نیا
حسن کو دوبالا کرنا	:	حسن کو بڑھانا
مراکز	:	مرکز کی جمع
دفاتر	:	دفتر کی جمع
اشاعتی ادارے	:	جہاں کتابیں چھاپی جاتی ہیں
حیرت انگیز	:	حیرت میں ڈالنے والا
عظیم	:	بڑا
آراستہ	:	سجا ہوا
قابلِ دید	:	دیکھنے کے لائق
فلک بوس	:	آسمان کو چومتی ہوئی، مراد بلند
اشیا	:	شے کی جمع، چیزیں

سوالات

1۔ شہر کولکتہ کا قیام کب اور کس طرح عمل میں آیا؟

2۔ کولکتہ کن باتوں کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہے؟

3۔ کولکتہ میں انگریزوں نے کون سی یادگار عمارتیں بنوائیں؟

4۔ کولکتہ کی ایسی کون سی چیزیں ہیں جو آپ کو حیران کرتی ہیں؟

© NCERT not to be republished

زبان وقواعد

- ''کولکتہ ہندوستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہاں شان دار اور قابلِ دید عمارتیں ہیں۔'ہاوڑا برج'، 'رونِدر سیتو' عظیم پُل ہے۔فن تعمیر کی اعلیٰ مثال ہے۔ چورنگی یہاں کا بڑا اور مشہور بازار ہے۔جدید سنیما گھر ہیں۔فلک بوس عمارتیں ہیں۔ ہری گھاس کا میدان ہے۔''

ان سبھی جملوں میں اسم کے ساتھ اس کی کوئی نہ کوئی خوبی / خصوصیت کا ذکر ہے۔آپ جانتے ہیں کہ وہ لفظ جس سے کسی اسم کی اچھائی، برائی یا خصوصیت ظاہر ہو اسے صفت کہتے ہیں۔

ان جملوں میں ان الفاظ کی نشاندہی کیجیے جو صفت ہیں۔

- نیچے دیے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

عمل　　ریاست　　سیر وتفریح　　عجائب گھر　　جدید　　آراستہ

غور کرنے کی بات

''انگریزوں کا بنایا ہوا قلعہ فورٹ ولیم آج فوجی چھاؤنی ہے۔بہت پہلے اس عمارت میں ایک ایسے کالج کی بنیاد رکھی گئی تھی جس نے مشرقی علوم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔''

عملی کام

سبق میں شامل انگریزی لفظوں کی فہرست تیار کیجیے۔

© NCERT not to be republished

عبدالاحد خاں تخلّص بھوپالی

(1918 — 1976)

عبدالاحد خاں تخلص بھوپالی، بھوپال کے ضلع رائے سین میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ رائل انڈین ملیٹری میں ملازم ہو گئے۔ انھوں نے 1952 کے آس پاس لکھنا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک گیر شہرت حاصل کر لی۔ 1960 میں مزاحیہ اخبار' بھوپال پنچ' نکالنا شروع کیا جو تین سال تک مسلسل پابندی سے نکلتا رہا۔ اس اخبار میں انھوں نے قسط وار کئی مضامین لکھے جو ان کے مجموعوں 'پوسٹ مارٹم رپورٹ'، 'شیطان جاگ اٹھا'، 'غفور میاں' اور' پاندان والی خالا' میں شامل ہیں۔

تخلص بھوپالی نے اپنی تحریروں میں اپنے زمانے کے بھوپال کی تہذیبی اور سماجی زندگی اور سیاسی حالات کی بے اعتدالیوں کو طنز و مزاح کا موضوع بنایا ہے۔ تخلص کی تحریروں کی سب سے نمایاں خصوصیت بھوپالی اردو کا بے تکلّفانہ استعمال ہے۔ بھوپالی اردو جو مقامی لسانی اثرات اور وہاں بولے جانے والے محاوروں، روزمرہ، کہاوتوں کے استعمال اور منفرد انداز تلفظ کی وجہ سے معیاری اردو سے الگ ایک امتیازی حیثیت اختیار کر چکی تھی، تخلص بھوپالی نے اپنی تحریروں میں اس سے مزاح بھی پیدا کیا ہے اور اسے محفوظ بھی کر دیا ہے۔

© NCERT not to be republished

خالا نے خط لکھوایا

صبح آٹھ بجے کا وقت ہے۔ خالا جانماز پر بیٹھی ہوئی تسبیح چلا رہی ہیں کہ ایک مرتبہ اپنے سینے پر سر کو دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں گھُما کر دم کیا اور اپنی بہو کو مخاطب کر کے زبان چلانا شروع کر دی ''ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا، یہ بھی کوئی بات ہے چھتّیس دن خدا کے، کون کون سی بات بتاؤں؟ اللہ رکھے لکھی پڑھی ہو، علم دار ہو، مگر جب دیکھو مرغے کی ایک ٹانگ۔ میں کہوں بیوی اگر شکر میں کیڑے پڑ گئے ہیں تو کیا گھر میں گڑ بھی روزی نہیں ہے؟ وہی گھول گھال کے لے آؤ۔ تسبیح چلاتے چلاتے صبح سے یہ وقت ہو گیا۔ کلیجہ بھی کھُرچنے لگا، اُنگلیاں بھی دُکھنے لگیں۔ دھوپ دیکھو تو صحن میں جا پہنچی مگر چائے کی ایک پیالی نہ آئی تو نہ آئی، توبہ ہے!''

''امّاں! بس لائی۔ گُڑ گرمی کرتا ہے اس وجہ سے گُڑ کی چائے نہیں بنائی۔'' خالا کی بہو نے باورچی خانے میں بیٹھے بیٹھے اندیشہ ظاہر کیا۔

''اے چلو بھی دُلہن! کدھر کی گرمی؟ چمڑا ہڈّی سے جا لگا، جسم سوکھ کے چھوارا ہو گیا، ہر چیز میں یزید کی اولاد بھیل ملا رہے ہیں۔ آگ لگوں نے انسانوں کا جینا دشوار کر دیا ہے۔''

''لیجیے امّاں گُڑ کی ہی بنا لائی۔'' بہو نے چائے کی پیالی سامنے رکھی۔

''شکر ہے بائی۔ خدا خدا کر کے چائے تو نصیب ہوئی۔ اب ذرا پاؤں بڑھا کے روٹی کا ٹکڑا پارچہ اور لے آؤ تو اس دوزخ میں چائے اتار لوں، کورے کلیجے کیسے پی لوں؟''

بہو تیزی سے باورچی خانے میں گئی اور ایک روٹی رکابی میں رکھ کر پیش کر دی۔

''چلو بس کام کرو اپنا۔ روٹی بھی باسی تواسی ہے۔ دنیا کی بہو بیٹیوں کا قاعدہ دیکھا کہ صُبح اُٹھ کر دو چار تازہ روٹیں پکا دیں مگر میرے گھر کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ اب سختی کرو تو دنیا مجھ بڈّھی خیلا کو نام رکھے گی کہ بہو کو دن رات چھیدے کھاتی ہے اور منھ بند کر لو تو منھ میں پانی ڈالنے والا کوئی نہیں۔''

''بیگم نسیم کو امّاں ابھی آپ خط لکھوائیں گی یا ناشتے سے فارغ ہو لوں۔'' بہو نے بریک لگایا۔

© NCERT not to be republished

''ہاں بائی سب کاموں سے فارغ ہولو۔ باورچی خانے کا پھیلاوا سمیٹو۔ منّے بھی اب پلنگ چھوڑتا ہوگا۔ اُسے ناشتہ کرا دو، پھر آؤ، سب باتوں سے فراغت کر کے۔'' خالا نے روٹی کا نوالہ بناتے ہوئے کہا۔ ''یہ بیٹھے بٹھائے ایک کام سر پہ اور آ گیا۔ خط کیا ہے شیطان کی آنت ہوگیا۔ خدائیوں میں ختم نہیں ہو پاتا۔ ایسے دو چار خط مہینے میں آ جائیں تو گھر والے پاگل ہو کے سڑکوں پہ جا نکلیں۔''

''امّاں پرسوں بھی ایک خط آیا تھا۔ بیگم نسیم کا۔'' بہو نے مسکراتے ہوئے اور نیچا سر کیے کیے باورچی خانے سے ایک اور انجکشن مارا۔

''توبہ ہے!'' خالا نے چائے کا گھونٹ اتار کر کہا ''گھر کا ہے کو ہے ڈاک خانہ ہوگیا۔ روزانہ ایک ڈاک چلی آ رہی ہے اور کیوں دلہن یہ شوکت بیوی کو اللہ جیتا رکھے اور بھی کچھ دنیا میں کام ہے یا روز اٹھائی اور ایک ڈاک بھیج دی۔ ابھی پہلا خط ہی کھایا پیا نکالے لے رہا ہے کہ اب دوسرا آ پہنچا۔ کیوں دلہن'' خالا نے خالی پیالی سامنے رکھ کر کہا ''تم تو بیٹی جیسے تیسے آج ختم کر دو اور ذرا سمجھا کے لکھ دو کہ اللہ رکھے تین چار بچّے ہیں۔ ان کی دیکھ ریکھ زیادہ کرو۔ مجھ جھاڑو پھری کو روز تیس دن خدا کے ڈاک بھیجنے سے کیا فائدہ؟ آج کو ہمارے ماں باپ بھی لکھا پڑھا دیتے تو کاہے کو بیچاری کے خط وبال ہو جاتے۔''

''امّاں، سرکار نے اعلان کیا ہے کہ سب کو سونے کے زیورات کا حساب دینا پڑے گا۔'' منّے نے اپنے کمرے سے برآمد ہو کر خالا کو نیا موضوع دیا۔

''ہاں رکھے ہیں زیور! جس کے پاس ہیں وہ تو حساب دیتے نہیں۔'' خالا نے اپنی بہو کے سامنے بیٹھ کر کہا۔ ''چل بائی یہ بھی لکھ دے اس بیچاری کو خبر دے دے۔ کب کیا معلوم اپنی سرکار کو زیوروں کی ضرورت پڑ جائے۔''

''امّاں لکھ دیا کہ زیورات کا حساب رکھنا۔ قاعدے میں سب۔'' بہو نے خالا کو اصل موضوع کی طرف گھیرا۔

''ملک کو خطرہ ہے، چوکس رہو۔ پنڈت جی نے اعلان کیا ہے امّاں۔'' ننّے نے ہاتھ منہ دھوتے ہوئے خالا کو پھر مخاطب کیا۔

''بس کر بیٹا ننّے! کہاں بیچ میں بول اٹھتا ہے۔ سب دماغ سے نکل جاتا ہے۔ وہ اللہ بخشے ہماری دادی امّاں کہا کرتی تھیں، ہر دوسرے تیسرے دن انگریز بھی کہا کرتا تھا۔ بھاگو دوڑو روس والا آیا۔''

''امّاں ایسی بات انگریز کیوں کہتا تھا۔'' بہو نے دلچسپی لے کر پوچھا۔

''اے بیوی۔ بس یوں کہ رعیّت اس کی طرف اپنے دماغ لگا لے تو حاکموں کی جان کو آرام ملے۔ چل خیر بائی۔ کالا منہ نیلے ہاتھ پاؤں۔ انگریز کیا گیا، چلتے چلتے سب اپنے چالے بتا گیا۔ خدا اُسے محمدؐ کی شفاعت نصیب نہ کرے۔ ہاں لکھو بائی کہ تمھارے میاں کا سہاگ قائم رکھے اور انھیں تمھارے سر پہ رکھے۔''

''امّاں غلط ہو گیا۔ مردوں کا سہاگ کیا؟'' بہو نے گرفت کی۔ ''اے تو تم ہاتھ میں قلم دوات لیے بیٹھی ہو دلہن۔ میں کہیں غلطی کر دوں تو تم سنبھال دو۔''

''لیجیے امّاں غلطی ٹھیک کر دی۔ اللہ تمھارے میاں کو قائم رکھے۔''

''توبہ ہے دلہن۔ میاں کیا ہوا، کوئی گھر مکان ہو گیا قائم رہے۔ اللہ سر پہ زندہ رکھے، سیدھی بات لکھو نا!''

''اللہ سر پہ زندہ رکھے۔'' بہو نے دہرایا۔

''اچھا اب لکھو کہ وہ تم نے جو بارہ کتابیں اپنے میاں کی بھیجی تھیں میں نے رات بھر میں پڑھ ڈالیں۔''

''نہیں امّاں۔ بڑی موٹی کتابیں ہیں۔ ایک رات میں کیسے پڑھ لیں آپ نے؟''

''تو چلو کچھ کم کر کے لکھ دو 'چھے' کر دو بس قصّہ ختم ہوا۔''

''چھے بھی امّاں بہت ہوتی ہیں۔''

''توبہ ہے بیوی بال کی کھال نکالتی ہو۔ ایک کا لکھ دو کہ روز ایک کتاب میں اپنی قبر بنائی تھی۔''

''کیوں امّاں یہ لکھ دوں کہ اپنی بہو سے پڑھوا کے سُن لیں سب کتابیں؟''

© NCERT not to be republished

''کیا خوب بیوی! قربان جاؤں تمھارے اس مشورے سے گھر کے گیڑے سے آنکھ پھوٹی جارہی ہے۔ اب نہ معلوم ہوتو دنیا کو معلوم ہوجائے کہ خالا نگوڑی ماری جاہل جٹ رکھی ہے۔''

''کیوں بہو رانی؟'' خالا کی لڑکی زینت نے کوٹھری سے باہر آکر اپنی بھاوج سے پوچھا۔''یہ میرا کرتا تمھارے میلے کپڑوں میں کیسے پہنچ گیا۔ اب نہ نظر پڑتی تو تمھارا ہوگیا تھا! مجھے کم بخت مارے کپڑوں کی یوں ہی ضروت رہتی ہے۔''

''نہیں بائی کسی بچّے وچّے نے ڈال دیا ہوگا میلے کپڑوں میں۔ میں کیوں ہاتھ لگانے لگی آپ کے کرتے سے۔''

''ذرا دلہن دماغ ٹھیک رکھونہیں تو ہم پھر دوسری طبیعت کے ہیں۔ واہ وا! کیا خوب! جو، جی میں آتا ہے بک دیتی ہو۔ ہمیں معلوم ہے کون کیا ہے۔ ایسی ہماری امّاں ہیں کہ سامنے بٹھا کر سب گھر کے عُقدے کھول رہی ہیں غیروں کے سامنے۔''

''خدا تجھے زمین کا پیوند بنادے زینت۔ تیرا کہنا تو دیکھ موٹی۔ بات ایسی کرتی ہے یزیدنی، کلیجے پہ تیر لگتے ہیں۔'' خالا نے بپھر کر کہا۔''غیر تو اب تو ہے جو دوسرے کے گھر کی ہوئی۔ یہ تو ہمارے گھر میں آئی ہے تو اپنوں سے اچھّی ہے، سمجھی کچھ جاہل۔ اچھّا ہٹ سامنے سے۔ تجھے دیکھ کے اب تو میرا جی جلتا ہے۔'' خالا نے منھ پھیر کر سلسلۂ کلام جاری رکھا۔''اللہ لڑکی دے تو زبان کی اچھّی اور قاعدے سلیقے کی۔''

''ہاں امّاں اور کیا لکھ دوں۔ بس دو چار باتیں اور بتادیجیے تو خط پورا کروں۔'' بہو نے رفع شر کے لیے خالا کو مخاطب کیا۔

''ٹھہر جاؤ دلہن ذرا ابھی۔ کدھر کا جھاڑو پھرا خط۔ اس زینت سے آج مجھے نپٹ لینے دو۔ اَس نے ایسی بات کہی آج کہ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اچھا دیکھ زینت! ابھی اپنے سُسرال جانے کی تیاری کر یا پھر آج میں ہی اس گھر سے نکلتی ہوں۔ سمجھ لے آج سے تیری ماں مرگئی ہے۔ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں ہے۔'' اور خالا منہ پھیر کر رونے لگیں۔ اُدھر زینت نے بھی بِلک بِلک کر رونا شروع کردیا اور ساتھ ہی بددعائیں بھی کہ خُدا میرے دشمنوں کے کلیجے میں چھُریاں چلائے کہ ماں کو بیٹی سے جُدا کیے دیتے ہیں۔ بہوغریب نے یہ ہیّا کال اور کو سنے سُنے تو اپنا لکھا پڑھی کا سامان لے کے کمرے میں جا گھُسی۔ سنا ہے کہ نصف گھنٹے کے انٹرول کے بعد زینت اور اس کا بھائی منّے، خالا کو منانے میں مشغول ہوگئے۔ راوی بے چارہ اس ہنگامے کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ بیگم نسیم کا خط پھر ادھورا رہ گیا۔

(عبدالاحد خاں تخلص بھوپالی)

مشق

● لفظ و معنی

اندیشہ	:	شک، شُبہ
دشوار	:	مشکل
بھیل ملانا	:	ملاوٹ کرنا
فارغ	:	فرصت
چھیدے کھانا	:	طعنے دینا
کورے کلیجے	:	خالی پیٹ
شیطان کی آنت ہونا (محاورہ)	:	بہت لمبا ہو جانا
شفاعت	:	سفارش
پارچہ	:	پوشاک، ریشمی کپڑا، ٹکڑا
موضوع	:	مضمون
رعیت	:	عوام، اسامی
جھاڑو پھرنا	:	معمولی، غیر اہم
تن بدن میں آگ لگنا (محاورہ)	:	بہت زیادہ غصّہ کرنا
عقدہ	:	راز، بھید
زمین کا پیوند ہونا (محاورہ)	:	مرجانا
مشغول	:	مصروف
بال کی کھال نکالنا (محاورہ)	:	معمولی باتوں پر اعتراض کرنا
نصف	:	آدھا

© NCERT not to be republished

رفع شر	:	شر کو دور کرنا
کلیجے پر چھریاں چلانا (محاورہ)	:	سخت تکلیف پہنچانا
ہیا کال	:	شور، ہنگامہ
راوی	:	بیان کرنے والا

سوالات

1۔ جانماز پر بیٹھے بیٹھے خالا نے اپنی بہو سے کیا کہا؟
2۔ خالا کے کہنے سے بہو نے بیگم نسیم کو خط میں کیا لکھا؟
3۔ زینت کس بات پر بھاوج سے ناراض ہوگئی؟
4۔ خالا نے زینت کو کس طرح ڈانٹا؟
5۔ بیگم نسیم کا خط ادھورا کیوں رہ گیا؟

زبان وقواعد

- ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا مرغ کی ایک ٹانگ

عام بول چال کے یہ وہ الفاظ ہیں جو اپنے لفظی معنی سے ہٹ کر کچھ اور معنی ادا کرتے ہیں اور انھیں بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔انھیں ضرب المثل / کہاوت کہتے ہیں۔

- آپ جانتے ہیں کہ ایسے الفاظ جو اپنے اصل معنی کے بجائے دوسرے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور فعل پر ختم ہوتے ہیں 'محاورہ' کہلاتے ہیں۔

محاورہ اور کہاوت میں فرق ہے۔محاورہ مصدر سے بنتا ہے جبکہ ضرب المثل / کہاوت کے لیے مصدر کی شرط نہیں۔محاورہ مکمل جملہ نہیں ہوتا مگر صرب المثل ایک مکمل جملہ ہوتا ہے۔محاورہ جملے میں استعمال ہوکر ہی اپنا مفہوم ادا کرتا ہے مگر صرب المثل میں پہلے کوئی بات کہی جاتی ہے پھر اس کی مزید وضاحت کے لیے کہاوت کو

© NCERT not to be republished

بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔

- اس سبق کے محاوروں اور ضرب المثل کی نشاندہی کیجیے اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

غور کرنے کی بات

دو کرداروں کے درمیان ہونے والی گفتگو مکالمہ کہلاتی ہے۔اس سبق میں عورتوں کے درمیان نوک جھونک کو دل چسپ انداز اور بامحاورہ زبان میں پیش کیا گیا ہے۔

عملی کام

اپنے دوست کو خط لکھتے ہوئے اپنی تعلیمی سرگرمیوں سے آگاہ کیجیے۔

© NCERT not to be republished

خواجہ احمد عبّاس

(1913 — 1987)

خواجہ احمد عبّاس کا تعلق پانی پت کے ایک معروف ادب دوست گھرانے سے تھا۔ مولاناؔ الطاف حسین حالؔی، خواجہ غلام الثقلین، خواجہ غلام السیّدین اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

خواجہ احمد عباس نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے وہ قومی آزادی کی تحریک میں شامل ہوگئے تھے۔ انھوں نے صحافت، ادب، فلم سازی کی دنیا میں ایک سرگرم زندگی گزاری۔ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں وہ باقاعدگی کے ساتھ اخباری کالم اور مضامین لکھتے تھے۔ انھوں نے کئی فلمیں بنائیں۔

فلم سازی کے ساتھ ساتھ خواجہ احمد عباس کا تعلق اسٹیج سے بھی رہا۔ ہندوستانی تھیٹر کے فروغ میں ان کا رول بہت اہم رہا ہے۔ خواجہ احمد عباس کی کہانیاں، ڈرامے اور ناول ایک واضح سماجی نصب العین رکھتے ہیں۔ 'دیا جلے ساری رات'، 'اننّاس اور ایٹم بم'، 'گیہوں اور گلاب'، 'زبیدہ'، 'انقلاب' ان کی معروف کتابیں ہیں۔ ان کی خودنوشت No Man is an Island انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں مقبول ہوچکی ہے۔

© NCERT not to be republished

کھدّر کا کفن

تیس برس کی بات ہے جب میں بالکل بچّہ تھا۔ ہمارے پڑوس میں ایک غریب بوڑھی رہتی تھی۔ اس کا نام تو حکیمن تھا مگر لوگ اُسے حکّو کہہ کر پُکارتے تھے۔ اس وقت شاید ساٹھ برس کی عمر ہوگی، جوانی میں ہی ودھوا ہوگئی تھی اور عمر بھر اپنے ہاتھ سے کام کر کے اپنے بچوں کو پالا تھا۔ بوڑھی ہوکر بھی وہ سورج نکلنے سے پہلے اٹھتی تھی۔ گرمی ہو یا جاڑا۔ ابھی ہم اپنے اپنے لحافوں میں دبکے پڑے ہوتے کہ اس کے گھر سے چکّی کی آواز آنی شروع ہوجاتی۔ دن بھر وہ جھاڑو دیتی، چرخہ کاتتی، کپڑا بنتی، کھانا پکاتی، اپنے لڑکے لڑکیوں، پوتے نواسوں کے کپڑے دھوتی۔ اس کا گھر بہت ہی چھوٹا تھا۔ ہمارے اتنے بڑے آنگن والے گھر کے مقابلے میں وہ جوتے کے ڈبّے جیسا لگتا تھا۔ دو کوٹھریاں، ایک پتلا سا دالان اور نام کے واسطے دو تین گز لمبا چوڑا صحن مگر اتنا صاف ستھرا اور ایسا لپا پُتا رکھتی تھی کہ سارے محلے میں مشہور تھا کہ حکّو کے گھر کے فرش پر کھپلیں بکھیر کر کھا سکتے ہیں۔

صبح سویرے سے لے کر رات گئے تک وہ کام کرتی تھی پھر بھی جب کبھی حکّو ہمارے گھر آتی ہم اسے ہشّاش بشّاش ہی

پاتے۔ بڑی ہنس مکھ تھی وہ۔ مجھے اس کی صورت اب تک یاد ہے۔ گہرا سانولا رنگ جس پر اُس کے سفید بگلا سے بال خوب کھلتے تھے۔ اس کی کاٹھی بڑی مضبوط تھی۔ اس کی کمر مرتے دم تک نہیں جھکی۔ آخری دنوں میں کئی دانت ٹوٹ گئے تھے جس سے بولنے

میں پوپلے پن کا انداز آ گیا تھا۔ بڑے مزے کی باتیں کرتی تھی اور جب ہم بچّے اسے گھیر لیتے تو کبھی تین شہزادوں، کبھی سات شہزادوں، کبھی جِنوں اور پریوں کی کہانی سناتی ..... وہ پردہ نہیں کرتی تھی۔ اپنا سارا کاروبار خود چلاتی تھی۔ حکّو پڑھی لکھی بالکل نہیں تھی، نہ اُس نے عورتوں مردوں کی برابری کا اصول سنا تھا، نہ جمہوریت نہ اشتراکیت کا، پھر بھی حکّو نہ کسی مرد سے ڈرتی تھی نہ کسی امیر، رئیس، افسر اور داروغہ سے ڈرتی تھی۔

حکّو نے عمر بھر محنت کر کے اپنے بال بچّوں کے لیے تھوڑے بہت پیسے جمع کیے تھے۔ بے چاری نے بینک کا تو نام بھی نہ سنا تھا۔ اس کی ساری پونجی (جو شاید سو دو سو روپے ہو،) چاندی کے گہنوں کی شکل میں اس کے کانوں، گلے اور ہاتھوں میں پڑی ہوئی تھی۔ چاندی کی بالیوں سے اُس کے جھکے ہوئے کان مجھے اب تک یاد ہیں۔ ان گہنوں کو وہ جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ کیوں کہ یہ ہی اُس کے بڑھاپے کا سہارا تھے۔ مگر ایک دن سب محلے والوں نے دیکھا نہ حکّو کے کان میں بالیاں ہیں، نہ اُس کے گلے میں ہنسلی، نہ اُس کے ہاتھوں میں کڑے اور چوڑیاں پھر بھی اُس کے چہرے پر وہی پرانی مسکراہٹ تھی اور کمر میں نام کو بھی خم نہیں۔

ہوا یہ کہ ان دنوں مہاتما گاندھی، علی برادران کے ساتھ پانی پت آئے۔ ہمارے نانا کے مکان میں انھوں نے تقریریں کیں۔ ترکِ موالات اور سوراج کے بارے میں حکو بھی ایک کونے میں بیٹھی ہوئی سنتی رہی۔ بعد میں چندہ جمع کیا تو اس نے اپنا سارا زیور اتار کر ان کی جھولی میں ڈال دیا اور اس کی دیکھا دیکھی اور عورتوں نے بھی اپنے اپنے زیور اتار کر چندے میں دے دیے۔

اس دن سے حکّو ''خلافتی'' ہوگئی۔ ہمارے ہاں آ کر نانا ابّا سے خبریں سنا کرتی اور اکثر پوچھتی ..... ''یہ انگریزوں کا راج کب ختم ہوگا؟'' خلافت یا کانگریس کے جلسے ہوتے تو ان میں بڑے چاؤ سے جاتی اور اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق سیاسی تحریک کو سمجھنے کی کوشش کرتی ..... مگر عمر بھر کی محنت سے اس کا جسم کھوکھلا ہو چکا تھا۔ پہلے آنکھوں نے جواب دیا، پھر ہاتھ پاؤں نے ..... حکّو نے گھر سے نکلنا بند کر دیا مگر چرخہ کا تنا نہ چھوڑا۔ عمر بھر کی مشق کے سہارے آنکھوں بغیر بھی کپڑا بُن لیتی۔ بیٹوں، پوتوں نے منع کیا تو اس نے کہا کہ وہ یہ کھدّر اپنے کفن کے لیے بُن رہی ہے۔

پھر حکّو مرگئی۔ اس کی آخری وصیت یہ تھی کہ ''مجھے میرے بنے ہوئے کھدر کا کفن دینا۔ اگر انگریزی کپڑے کا دیا تو میری روح کو کبھی چین نصیب نہ ہوگا۔'' ان دنوں کفن لٹھّے کے دیے جاتے تھے کھدّر کا پہلا کفن حکو کو ہی ملا۔ اس کا جنازہ اٹھا تو اس کے چند رشتے دار اور دو تین پڑوسی تھے۔ نہ جلوس نہ پھول نہ جھنڈے بس ایک کھدّر کا کفن۔

(خواجہ احمد عباس)

مشق

● لفظ و معنی

ودھوا : بیوہ

صحن : آنگن

ہشّاش بشّاش : خوش وخرّم

کاٹھی : جسم کی بناوٹ

خلافت : ایک سیاسی تحریک کا نام جس کے سربراہ علی برادران تھے۔

جمہوریت : وہ نظام حکومت جس میں عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت حکومت چلاتی ہے۔

اشتراکیت : ساجھا، شرکت، وہ سیاسی نظام جس میں سبھی کو برابری کا حق حاصل ہوتا ہے۔

خلافتی : خلافت تحریک کو تسلیم کرنے والی / والا

ترکِ موالات : ایک تحریک جس کے تحت انگریزی سامان استعمال کرنے کی مخالفت کی گئی تھی۔

● سوالات

1۔ حکّو کون تھی، اس کا اصل نام کیا تھا؟

2۔ اس افسانے میں حکّو کی کیا کیا خوبیاں بتائی گئی ہیں؟

3۔ حکّو نے اپنے زیور کیوں دے دیے؟

4۔ کہانی میں حکّو کو ''خلافتی'' کیوں کہا گیا ہے؟

5۔ حکّو کی آخری وصیت کیا تھی؟

© NCERT not to be republished

زبان وقواعد

- نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنایئے:

چرخا صحن ہشّاش بشّاش جمہوریت تقریر وصیت

غور کرنے کی بات

حکّو کا کردار ہمیں آمادہ کرتا ہے کہ اپنے ملک وقوم کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہمارا اوّلین فرض ہونا چاہیے۔ وطن پر کوئی آنچ آئے اور ہم اپنی آرائش وزیبائش کے سامان کو اہمیت دیں، یہ وطن سے محبت کی علامت نہیں ہوسکتی۔

عملی کام

حکّو کی شخصیت پر مختصر نوٹ لکھیے۔

© NCERT not to be republished

سیّد عابد حسین

(1896 — 1978)

ڈاکٹر سیّد عابد حسین کا وطن داعی پور، ضلع فرخ آباد (اتر پردیش) تھا۔ عابد حسین کی پیدائش بھوپال میں ہوئی۔ ان کا بچپن داعی پور اور لکھنؤ میں گزرا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے اسکول میں پائی۔ ثانوی تعلیم بھوپال میں مکمل کرنے کے بعد الٰہ آباد یونیورسٹی سے بی۔اے کیا۔ اعلیٰ تعلیم آکسفورڈ یونیورسٹی، برطانیہ اور برلن یونیورسٹی، جرمنی میں حاصل کی۔ سیّد عابد حسین نے فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ جرمنی سے واپس آکر ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر محمد مجیب کے ساتھ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔

ڈاکٹر عابد حسین اچھے ادیب اور مترجم تھے۔ انھوں نے جرمن زبان کی کئی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا جن میں گوئٹے کی 'فاؤسٹ' سب سے اہم ہے۔ ڈاکٹر عابد حسین نے مہاتما گاندھی کی خودنوشت 'مائی ایکسپیری منٹ وتھ ٹرتھ' کا ترجمہ 'تلاشِ حق' کے نام سے اور پنڈت جواہر لال نہرو کی 'ڈسکوری آف انڈیا' کا ترجمہ 'تلاشِ ہند' کے نام سے کیا۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھیں، جن میں 'قومی تہذیب کا مسئلہ' اور 'ہندوستانی مسلمان آئینہ ایام میں' اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوئیں۔ انھوں نے ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ 'پردۂ غفلت' ان کا مشہور ڈراما ہے۔

ان کی خدمات کے اعتراف میں انھیں 'پدم شری' سے نوازا گیا۔ یہ مضمون مہاتما گاندھی کی آپ بیتی کے اردو ترجمے 'تلاشِ حق' سے لیا گیا ہے۔

© NCERT not to be republished

سچّی زندگی، روحانی خوشی

میں نے سوچا کہ بمبئی کے سِلے ہوئے کپڑے جو میں پہنے ہوں انگلستان کی سوسائٹی کے قابل نہیں ہیں اس لیے میں نے آرمی اینڈ نیوی کی کوٹھی سے نئے کپڑے خرید لیے۔ ایک لمبی ریشمی ہیٹ بھی 19 شلنگ میں خریدی جو اُس زمانے کے لحاظ سے بڑی قیمتی تھی۔ مجھے اس پر بھی قناعت نہ ہوئی بلکہ دس پاؤنڈ ضائع کر کے ایک ایوننگ سوٹ 'بونڈ اسٹریٹ' میں جو اس زمانے میں فیشن کا مرکز سمجھی جاتی تھی، سلوایا اور اپنے بھائی سے گھڑی کے لیے سونے کی دہری زنجیر منگوائی۔ بندھی بندھائی ٹائی لگانا فیشن کے خلاف تھا۔ اس لیے میں نے خود ٹائی باندھنے کی صنعت سیکھی۔ ہندوستان میں تو آئینہ میرے لیے بڑے تکلّف کی چیز تھی۔ مجھے آئینہ دیکھنا صرف اُس دن نصیب ہوتا تھا جس دن گھر کا نائی میری ڈاڑھی مونڈتا تھا۔ یہاں میں روز دس منٹ ایک بڑے آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر ٹائی ٹھیک کرنے اور مانگ نکالنے میں ضائع کرتا تھا۔ بدقسمتی سے میرے بال بھی نرم نہ تھے اور انھیں جمانے میں برش سے خاصی کشتی لڑنا پڑتی تھی۔ جب کبھی میں سر پر ٹوپی رکھتا تھا یا اتارتا تھا تو میرا ہاتھ خود بخود بال درست کرنے کے لیے سر پر پہنچ جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک مہذّب عادت یہ تھی کی شائستہ سوسائٹی میں بیٹھا ہوتا تھا تو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ہاتھ سر پر جا کر مشین کے پرزے کی طرح یہی عمل کر آتا تھا۔

مگر ان سب باتوں کے باوجود جو ایک جنٹل مین کے لیے ضروری ہیں، مجھ سے کہا گیا کہ ناچ، فرانسیسی زبان اور خطابت سیکھنا میرے لیے ضروری ہے۔ فرانسیسی نہ صرف ہم سایہ ملک کی زبان تھی بلکہ سارے برِّاعظم یورپ میں سمجھی جاتی تھی جس کی سیاحت کا میں قصد رکھتا تھا۔ میں نے طے کیا کہ ایک رقّاصہ کی کلاس میں ناچ سیکھوں گا۔ تین پاؤنڈ ایک ٹرم کی فیس ادا کروں گا۔ میں تین ہفتے میں کوئی چھے بار کلاس میں گیا لیکن یہ میرے بس کی بات نہ تھی کہ جسم کی حرکت میں موزونیت پیدا کروں۔ میں پیانو سمجھ نہیں سکتا تھا اس لیے تال کے ساتھ قدم رکھنا میرے لیے ناممکن تھا۔ اب میں کرتا تو کیا کرتا۔

ایک سادھو کا قصہ مشہور ہے کہ اس نے چوہوں کو بھگانے کے لیے بلی پالی، بلّی کو دودھ پلانے کے لیے گائے رکھی، گائے چَرانے کے لیے آدمی رکھا۔ غرض اسی طرح سلسلہ بڑھتا گیا۔ میرے حوصلے بھی اس سادھو کے خاندان کی طرح بڑھتے گئے۔ میں نے سوچا کہ مغربی موسیقی کا مذاق پیدا کرنے کے لیے وایلن بجانا سیکھوں۔ اس لیے میں نے تین پاؤنڈ کا ایک وایلن خریدا اور

سکھانے والے کی فیس میں بھی کچھ خرچ کیا۔ میں ایک تیسرے استاد کے پاس خطابت سیکھنے گیا اور ایک گنّی ابتدائی فیس ادا کی۔ انھوں نے بیلؔ کی کتاب 'کامل خطیب' نصاب کے طور پر مقرّر کی اور میں نے اسے خرید لیا۔ پِٹؔ کی ایک اسپیچ سے میں نے ابتدا کی۔

لیکن بیلؔ کی کتاب نے صدائے جرس بن کر مجھے خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ میں نے دل میں کہا 'مجھے کچھ انگلستان میں اپنی عمر تو گزارنا نہیں پھر آخر خطابت سیکھنے سے کیا فائدہ؟ اور ناچ سیکھ کر میں جنٹل مین کیسے بن جاؤں گا؟ رہا وائلن تو وہ میں ہندوستان میں بھی سیکھ سکتا ہوں۔ میں طالب علم ہوں، مجھے اپنی پڑھائی کی فکر کرنا چاہیے۔ اگر میں اپنی سیرت کی بدولت جنٹل مین بن جاؤں تو فبہا! ورنہ مجھے اس حوصلے سے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔

اس قسم کے خیالات کا میرے دل میں ہجوم تھا اور میں نے انکار کا اظہار اپنے خطابت کے استاد کے نام ایک خط میں کیا جس میں ان سے یہ درخواست کی تھی، مجھے آیندہ حاضری سے معذور رکھیں۔ میں نے اب تک صرف دو یا تین سبق سیکھ لیے تھے۔ اسی طرح کا خط میں نے ناچ سکھانے والی کو لکھا اور وایلن سکھانے والی کے پاس خود جاکر میں نے درخواست کی کہ میرا وایلن جس قیمت پر بکے، بیچ دیں۔ وہ مجھ پر مہربان تھیں اس لیے میں نے ان سے کہہ دیا کہ مجھے یکا یک یہ محسوس ہوا ہے کہ میں ایک جھوٹے نصب العین کی پیروی کر رہا ہوں۔ انھوں نے میرے طرزِ عمل کی کامل تبدیلی میں میری ہمّت افزائی کی۔

یہ سودا مجھے کوئی تین مہینے رہا۔ لباس میں اہتمام اور تکلف برسوں باقی رہا لیکن اُس وقت سے میں طالب علم بن گیا۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ زمانہ جس میں میں نے ناچ وغیرہ کے تجربے کیے، میری زندگی میں عیش پرستی کا زمانہ تھا۔ اُن دنوں بھی میرے ہوش وحواس قائم تھے۔ میں فیشن کی ترنگ میں مست سہی مگر کبھی کبھی مشاہدۂ نفس سے بھی کام لیتا تھا۔ میں پیسے پیسے کا حساب رکھتا تھا اور سمجھ بوجھ سے خرچ کرتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں مثلاً اومنی بس کا کرایا یا خط کے ٹکٹ یا اخبار کے پیسے بھی درج کر لیتا تھا اور شام کو سونے سے پہلے میزان دے کر باقی نکال لیتا تھا۔ یہ عادت مجھے ہمیشہ رہی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجود یہ کہ

میرے ہاتھ میں قومی کاموں کے لیے لاکھوں روپیہ رہا مگر میں نے اس کے خرچ کرنے میں نہایت کفایت شعاری برتی اور جتنی تحریکیں میری نگرانی میں تھیں، ان میں سے کسی پر کبھی قرض نہیں رہا بلکہ ہمیشہ بچت ہی رہی۔ ہر نوجوان مجھ سے سبق حاصل کرے اور جتنا روپیہ اس کے ہاتھ میں آئے اور خرچ ہو، سب کا حساب رکھے۔ اس سے آگے چل کر بڑا فائدہ ہوگا۔

میں اپنی زندگی کا سختی سے احتساب کرتا تھا۔ اس لیے مجھے یہ محسوس ہوگیا کہ کفایت شعاری برتنے کی ضرورت ہے۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنا خرچ آدھا کروں گا۔ حساب سیکھنے سے معلوم ہوا کہ بس وغیرہ کے کرایے میں کافی خرچ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی خاندان کے ساتھ رہنے میں ہر مہینے اچھّی خاصی رقم کا بل ادا کرنا پڑتا تھا۔ پھر اخلاق کا تقاضا تھا کہ خاندان کے ارکان کو کبھی کبھی کھانا کھلانے لے جاؤں اور ان کے ساتھ دعوتوں میں جاؤں۔ ان باتوں میں سواری کا بہت خرچ تھا۔ خصوصاً اگر کوئی خاتون ساتھ ہو تو دستور کے مطابق کل مصارف مجھی کو ادا کرنا پڑتے تھے۔ کھانے کے لیے باہر جانا ایک جداگانہ مد تھی۔ کیوں کہ گھر پر نہ کھانے کی بنا پر ہفتہ وار بل میں کوئی رقم مُجرا نہیں ہوتی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ سب رقمیں بچائی جاسکتی ہیں اور رسمی معاشرت کی بے جا پابندی سے جو بار میرے جیب خرچ پر پڑتا ہے، وہ روکا جاسکتا ہے۔

اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ الگ کمرے لے کر رہوں اور اپنے کام کے لحاظ سے تبدیلِ مقام کرتا رہوں تاکہ کفایت بھی ہو اور تجربہ بھی بڑھے۔ کمروں کا انتخاب میں اس طرح کرتا تھا کہ جہاں مجھے کام کرنا ہو، وہاں پیدل چل کر آدھ گھنٹے میں پہنچ جایا کروں۔ اس سے پہلے جب مجھے باہر جانا ہوتا تو مجبوراً سواری پر جاتا تھا اور ٹہلنے کے لیے الگ وقت نکالنا پڑتا تھا۔ نئے انتظام میں ورزش اور کفایت شعاری کا ساتھ ہوگیا۔ کرائے کا کرایہ بچتا تھا اور آٹھ دس میل چل بھی لیتا تھا۔ زیادہ تر اسی پیدل چلنے کی عادت کی بدولت میں قیامِ انگلستان کے زمانے میں بیماری سے محفوظ رہا اور میرا جسم خاصا مضبوط ہوگیا۔

غرض میں نے دو کمرے کرایے پر لیے، ایک سونے کا کمرہ اور ایک نشست کا کمرہ۔ یہ میری زندگی کی تبدیلی کی دوسری منزل تھی۔ تیسری ابھی آنے کو تھی۔

رہن سہن کی اس تبدیلی سے میرا خرچ آدھا ہوگیا۔ اب یہ سوال تھا کہ وقت کو کس طرح کام میں لاؤں۔ مجھے معلوم تھا کہ بیرسٹری کے امتحانوں کے لیے زیادہ مطالعے کی ضرورت نہیں، اس لیے میرے پاس وقت کی کمی نہ تھی۔ میری انگریزی کمزور تھی اور اس کی مجھے ہمیشہ فکر رہتی تھی۔ میں نے سوچا کہ مجھے بیرسٹری کے علاوہ کوئی ادبی سند بھی لینا چاہیے۔ میں نے آکسفورڈ اور کیمبرج کے نصاب کے متعلق دریافت کیا اور چند دوستوں سے مشورہ کیا تو معلوم ہوا کہ اگر میں ان دونوں یونیورسٹیوں میں سے کسی میں جاؤں تو بہت خرچ پڑے گا اور انگلستان میں بہت دن ٹھہرنا ہوگا جس کے لیے میں تیار نہ تھا۔ ایک دوست نے کہا ''اگر تمھیں

واقعی مشکل امتحان دینے کا شوق ہے تو لندن کا میٹریکولیشن پاس کرلو۔ اس میں محنت بھی کافی ہے۔ تمھاری عام استعداد بھی بڑھ جائے گی اور کچھ ایسا زاید خرچ بھی نہیں۔'' میں نے اس تجویز کو بہت پسند کیا لیکن اس امتحان کے نصاب نے مجھے مار ڈالا۔ لاطینی اور کوئی جدید یوروپی زبان (علاوہ انگریزی) لازمی تھی۔ میں نے کہا 'بھلا میں لاطینی کیسے سیکھ پاؤں گا؟' میرے دوست نے اس کے فوائد پر بہت زور دیا'' لاطینی زبان وکیلوں کے لیے بڑے کام کی چیز ہے۔ قانون کی کتابوں کے سمجھنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے اور بیرسٹری کے امتحان میں رومی قانون کا پورا پرچہ لاطینی میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ لاطینی جاننے سے انگریزی زبان پر عبور ہوجاتا ہے۔'' یہ بات میرے دل میں کُھب گئی اور میں نے طے کیا کہ لاطینی چاہے جتنی مشکل ہو میں اسے سیکھ کر رہوں گا۔ فرانسیسی میں پہلے ہی شروع کر چکا تھا۔

میں میٹریکولیشن کی ایک پرائیویٹ کلاس میں شریک ہوگیا۔ امتحان سال میں دوبار ہوا کرتا تھا اور اب اگلے امتحان کو پانچ مہینے باقی تھے۔ اتنے عرصے میں تیاری کرلینا میرے لیے قریب قریب ناممکن امر تھا۔ مگر انگریز جنٹل مین بننے کا شایق اب محنتی طالب علم بننے پر تیار ہوگیا۔ لیکن نہ تو میری ذہانت سے اور نہ میرے حافظے سے یہ توقع تھی کہ اتنے دن میں امتحان کے دوسرے مضامین کے ساتھ لاطینی اور فرانسیسی دونوں قابو میں آجائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لاطینی میں فیل ہوگیا۔ مجھے بہت افسوس ہوا مگر میں نے ہمّت نہ ہاری۔ مجھے لاطینی کا مذاق پیدا ہوگیا تھا۔ میں نے سوچا کہ دوسری بار کوشش کروں گا تو فرانسیسی اور اچھی ہوجائے گی اور اب کی میں سائنس کے میدان میں بھی کوئی نیا مضمون لے لوں گا۔ کیمیا میرا مضمون تھا لیکن تجربات کا موقع نہ ملنے سے اس میں جی نہیں لگتا تھا۔ یہ میرے ہندوستان کے امتحان میں بھی لازمی مضامین میں سے تھا، اس لیے میں نے ضداً میٹریکولیشن میں بھی اسی کو لے لیا تھا۔ مگر اس بار میں نے بجائے کیمیا کے'' روشنی اور حرارت'' کا انتخاب کیا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ مضمون آسان ہے اور مجھے بھی آسان معلوم ہوا۔

دوبارہ امتحان کی تیاری کے ساتھ ساتھ میں نے کوشش کی کہ اپنی زندگی کو اور سادہ بناؤں۔ مجھے یہ احساس تھا کہ میری زندگی کا معیار ابھی تک میرے خاندان کی محدود آمدنی کی نسبت سے اونچا ہے۔ جب مجھے اپنے بھائی کی مشکلوں کا خیال آتا تھا جو دریا دلی سے میرے متواتر مالی امداد کے مطالبے پورے کرتے تھے تو مجھے بہت دکھ ہوتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ جو لوگ آٹھ پاؤنڈ سے لے کر پندرہ پاؤنڈ ماہوار تک خرچ کرتے تھے، ان میں سے اکثر کو وظیفے کی امداد ملتی تھی۔ میرے سامنے انتہائی سادگی کی مثالیں تھیں۔ مجھے متعدد غریب طالب علم ملے جو مجھ سے زیادہ تنگی سے بسر کرتے تھے۔ ان میں سے ایک بے چارہ غریبوں کے محلے میں دوشلنگ ہفتہ وار کے کمرے میں رہتا تھا اور لوکہارٹ کی سستی کوکو کی دکان میں دن میں چند بار دو پینی کی کوکو اور روٹی سے

پیٹ بھر لیتا تھا۔ میں اس کمرے سے کام چلا سکتا ہوں اور ایک وقت کا کھانا گھر پر پکا سکتا ہوں۔ اس میں چار پانچ پاؤنڈ ماہوار بچ جائیں گے۔ میں نے سادہ زندگی کے متعلق بعض کتابیں بھی پڑھیں۔ میں نے یہ کمرا چھوڑ کر ایک کمرہ کرائے پر لیا۔ ایک گیس کا چولھا خریدا اور اپنا کھانا گھر پر پکانا شروع کیا۔ اس میں مجھے بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگتے تھے کیوں کہ صرف جئی کا دلیا پکاتا تھا اور کوکو بناتا۔ دوپہر کا کھانا میں باہر کھاتا تھا اور شام کو گھر آ کر روٹی اور کوکو پر گزر کرتا تھا۔ اس طرح میرا روزانہ خرچ ایک شلنگ تین پنس رہ گیا۔ یہی زمانہ محنت سے پڑھائی کرنے کا بھی تھا۔ سادہ زندگی کے سبب میرا بہت وقت بچتا تھا۔ چنانچہ میں خوب پڑھائی کر کے اپنے امتحان میں پاس ہوگیا۔

پڑھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اس طرح رہنے میں میری زندگی بے لطفی سے گزرتی تھی بلکہ اس کے برعکس اس تبدیلی کی بدولت میری بیرونی اور اندرونی زندگی میں ہم آہنگی پیدا ہوگئی اور یہ طریقہ خاندان کی آمدنی کے لحاظ سے بھی مناسب تھا۔ میری زندگی زیادہ سچی بن گئی اور میری روحانی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

مہاتما گاندھی (ترجمہ: سیّد عابد حسین)

مشق

● لفظ و معنی

صنعت : ہنر، کاری گری

تکلّف : وہ بات یا کام جس کے کرنے میں کوشش یا اہتمام کرنا پڑے

قصد : ارادہ

خطابت : تقریر کا فن

پِٹ : سر ولیم پِٹ (1759 - 1806) انگلستان کے وزیر اعظم جو اپنی خطابت کے لیے مشہور تھے اور جن کی ایک تقریر، مسٹر بیل کی ترتیب دی ہوئی کتاب 'کامل خطیب' میں شامل تھی

گِنّی : اُنیسویں صدی میں رائج انگلستان کا سونے کا سکّہ

© NCERT not to be republished

صدائے جرس	:	گھنٹی کی آواز
فَبِہا	:	بہت خوب، بہتر
ہاتھ دھولینا (محاورہ)	:	اُمید چھوڑ دینا
حاضری سے معذور رکھیں	:	غیر حاضر رہنے یا کلاس چھوڑ دینے کی اجازت دیں
نصب العین	:	مقصد
پیروی کرنا	:	تقلید کرنا، کسی کی بات یا عمل کو رہنما مان کر چلنا
سودا	:	جنون، دیوانگی
مشاہدۂ نفس	:	اپنی ذات پر غور وفکر کرنا
میزان دینا	:	جمع خرچ کا حساب جوڑنا
احتساب	:	حساب لینا
مصارف	:	صرف کی جمع، خرچ، اخراجات
مجرا رقم	:	خرچ کے بعد بچی ہوئی رقم
معاشرت	:	رہن سہن
کُھب جانا	:	پسند آنا، دل میں اُتر جانا
شائق	:	شوق رکھنے والا
مذاق	:	ذوق، پسند
متواتر	:	لگاتار
ہم آہنگی	:	تال میل
امر	:	کام
بیرونی	:	باہری
استعداد	:	قابلیت، صلاحیت
ارکان	:	رکن کی جمع، ممبر

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ گاندھی جی کے انگلستان کے قیام کے ابتدائی دنوں میں کیا کیا شوق تھے؟

2۔ کون سی کتاب نے گاندھی جی کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا؟

3۔ گاندھی جی نے کفایت شعاری کے لیے کیا کیا؟

4۔ لاطینی زبان سیکھنے سے کیا کیا فائدے ممکن تھے؟

5۔ سادہ زندگی کو گاندھی جی نے کیوں پسند کیا؟

زبان وقواعد

(الف) نیچے دیے ہوئے لفظوں میں صفت کی مختلف اقسام کی نشاندہی کیجیے۔

فرانسیسی زبان　　مغربی موسیقی　　چند دوست　　رومی قانون

دو چار سبق　　بعض کتابیں　　چھوٹی چھوٹی چیزیں　　سادہ زندگی روحانی خوشی

(ب) نیچے دیے ہوئے لفظوں میں اسمِ عام اور اسم خاص کی نشاندہی کیجیے۔

زبان	–	انگریزی		کھانا	–	ناشتہ
ملک	–	ہندوستان		بیماری	–	بخار
گاڑی	–	بس		کپڑا	–	ٹوپی

عملی کام

گاندھی جی کی شخصیت پر ایک مضمون لکھیے۔

© NCERT not to be republished

عبدالحلیم شرر

(1860—1926)

عبدالحلیم شرر لکھنؤ میں پیدا ہوئے ۔اُن کے والد کا نام تفضّل حسین تھا۔شرر نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ انھوں نے اپنی زندگی میں بہت سے اتار چڑھاؤ دیکھے۔تلاشِ معاش کے لیے بہت پریشانیاں اٹھائیں۔شرر بلند ہمّت، محنتی، انسان دوست اور ہمدرد شخص تھے۔شرر کو بچپن سے ہی پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔انھوں نے بہت سی اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔

اردو میں شرر کو تاریخی ناول کا بانی کہا جاتا ہے۔انھوں نے کئی تاریخی ناول لکھے جن میں 'فردوسِ بریں'، 'حسن انجلینا'، 'فلورا فلورنڈا' اور مُلک العزیز و ورجینا، بہت مشہور ہیں۔شرر نے بے شمار مضامین لکھے جن میں انشائیے معلوماتی، معاشرتی، تاثراتی مضامین اور سفر نامے شامل ہیں۔'مضامینِ شرر' کی آٹھ جلدیں منظر عام پر آئیں۔ان میں 'گذشتہ لکھنؤ' سب سے اہم ہے۔ ان کے چار شعری مجموعے شائع ہوئے۔

شرر ایک کامیاب صحافی بھی تھے۔انھوں نے کئی رسالے نکالے جن میں 'دلگداز' سب سے اہم ہے۔

© NCERT not to be republished

مغرور جوتا

میں اپنے ٹوٹے ہوئے جوتے کو اتار رہا تھا کہ اس نے دانت نکال دیے۔ میں ایسا جھنجھلایا کہ نوچ کر پھینک دیا۔ میری یہ برہمی اسے ناگوار گزری اور وہ زبانِ حال سے بولا، ''آپ کو میری ضرورت نہیں رہی ہے تو نکال دیجیے مگر یوں ذلیل کر کے تو نہ نکالیے۔''

اُس کے اِس غرور پر مجھے ہنسی آ گئی اور کہا، ''کیا دنیا میں تجھ سے بھی زیادہ کوئی ذلیل شے ہے؟ ہر وقت پاؤں سے کچلا اور روندا جاتا ہے اور ہمیشہ راستے کی نجاستوں میں آلودہ رہتا ہے۔ ہم جب کبھی کہتے ہیں کہ ہماری جوتیوں کا صدقہ ہے اس وقت تجھے انتہا درجے کی نفرت سے دیکھتے ہیں۔ کسی کو ذلیل کرنا ہو تو اُسے تیری مار ماری جاتی ہے۔ اس لیے کہ تو نہایت حقیر اور ذلیل ہے لیکن باوجود ان سب باتوں کے تجھے اپنی عزّت کا خیال ہے۔''

میں سمجھتا تھا کہ یہ باتیں اس سرکش جوتے کو خاموش کر دیں گی مگر اُس پر کچھ اثر نہ ہوا اور بولا، ''یوں تو آپ کو اختیار ہے کہ اپنے نزدیک جسے چاہیں معزّز خیال کریں، جسے چاہیں ذلیل کریں، لیکن خدائی فیصلہ آپ کی تجویز اور مرضی سے نہیں ہوسکتا۔ خدا نے ہر چیز کو اور ہر شخص کو اپنے مقام پر فضیلت اور خصوصیت عطا کی ہے جس پر وہ جس قدر ناز کرے بجا ہے۔ مجھے آپ اپنے گھر میں ذلیل سمجھا کریں لیکن اپنی جگہ پر غور کرتا ہوں تو اپنے میں کوئی ذلّت اور حقارت کی بات نہیں پاتا۔ میں جس سے بنا ہوں اسی سے آپ کا جسم بنا ہے۔ یہی نرمی، یہی حِس، یہی خوبی جو آپ کی کھال میں ہے کبھی مجھ میں بھی تھی۔ مرنے کے بعد میری حالت آپ سے اچھّی رہی۔ میں تو گلنے سڑنے سے بچ کر آپ کے پاؤں کا لباس بن گیا۔ آپ کے جسم کے کسی حصے کو خلق اللہ کی

خدمت کا کوئی موقع ملے، اس کی کوئی امید نہیں۔ ممکن تھا کہ میں ایک پر تکلّف ٹوپی کا استر بن کر آپ کے سر پر جا پہنچتا۔ پوستین کی شکل میں نمودار ہو کے آپ کے جسم سے لپٹ جاتا۔ پیٹی بن کر آپ کی کمر میں بندھا رہتا اور ممکن تھا کہ میں کوئی ایسی خوب صورت چیز بن جاتا جسے آپ نہایت عزیز رکھتے۔''

جوتے کی ان واعظانہ باتوں سے میں دل میں کانپ گیا۔ مگر یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ ایک ذلیل سی شے سے قائل ہو جاؤں۔ جواب دیا، ''ان صورتوں میں سے جو تمھاری صورت ہوتی ویسی ہی تمھاری قدر بھی کی جاتی مگر اب تو تم ہو اور ٹوٹے ہوئے جوتے ہو ایسی حالت میں عزّت کا نام لیتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی۔''

مگر وہ جوتا بھی کچھ ایسا جھنجھلایا ہوا تھا کہ کسی طرح جان نہ چھوڑی اور کہا، ''کوئی وجہ نہیں پاتا۔ جوتا ہونے سے کیا کوئی ذلیل ہو جاتا ہے؟ اگر میں آپ کے بادشاہ یا کسی معمولی حاکم کا جوتا ہوتا تو آپ زمین پر سر رکھ کر مجھے چومتے۔ اگر میں آپ کے مرشد یا ولی اللہ کا جوتا ہوتا تو آپ مجھے باوجود شکستگی کے آنکھوں سے لگاتے۔ اگر میں آپ کے استاد یا کسی بزرگ کا جوتا ہوتا تو آپ اپنی سعادت مندی تصوّر کر کے مجھے سیدھا کرتے۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ جوتا ہونے سے میری کیا آبرو گھٹ گئی؟ ہاں! البتّہ اس بات کو مان لوں گا کہ آپ جیسے حق نا آشنا کی پاپوش بننے سے میری آبرو جاتی رہی اور مجھ میں ذلّت وحقارت جو کچھ ہے آپ سے ملنے، آپ کے پاس آنے اور آپ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے ہے۔''

اب گفتگو نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ اپنی کمزوری ظاہر کرنا درکنار، مجھے یہ نظر آ رہا تھا کہ میرا ہی جوتا مجھے کمالِ بے باکی سے ذلیل کر رہا تھا۔ برہمی کے ساتھ کہا، ''تیری حقارت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب مقدس دربارِ الٰہی میں پہنچے تو حکم ہوا کہ اپنی جوتیاں اُتار ڈالو۔''

جوتے نے کہا، ''بے شک! اس مقام پر حضرت موسیٰؑ کو جوتیاں اُتارنی پڑیں مگر جس منزل تک وہ جوتیاں پہنے چلے گئے اور جہاں تک اُن کا اور میرا ساتھ رہا وہاں آپ کیا بڑے بڑے ائمّۂ دین کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔''

آخر میں نے تنگ آ کر پوچھا، ''کیا تو سچ مچ اپنے آپ کو مجھ سے افضل سمجھتا ہے؟ یا یہ فقط تیری سخن پروری ہے؟''

''اپنے فرائض ادا کرنے کی دُھن میں کبھی مجھے اس مسئلے پر غور کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ میں کیا جانوں کہ آپ افضل ہیں یا میں؟ ہاں ایک بات البتّہ خیال میں آتی ہے۔ مگر آپ شاید نہ مانیں۔''

میں نے گھبرا کر پوچھا، ''وہ کون سی بات ہے؟''

جواب ملا، ''اپنے فرائضِ زندگی کو جو شخص جتنی عمدگی اور مستعدی سے بجا لائے اُسی قدر اسے افضل ہونا چاہیے۔ اپنے

فرائض ادا کرنے میں، میں نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ آپ نے جب اور جو کام لینا چاہا میں نے عذر نہیں کیا۔ آپ برے کاموں کے لیے گئے، ایذا رسانی اور مخلوق کو آزار پہنچانے کے لیے روز روانہ ہوئے اور ہمیشہ مجھے پہن کر گئے۔ میری طرف سے آپ کی فرماں برداری میں ذرا بھی کمی ہوئی ہو تو فرمایئے۔ مجھے ان باتوں سے تکلیف ہوئی مگر میں نے اطاعت سے منھ نہ موڑا۔ میں نے ہر طرح سے مصیبتیں جھیلیں مگر آپ کی نافرمانی نہیں کی۔ اب اس کے مقابلے میں آپ اس کا ثبوت دیں کہ آپ بھی اپنے فرائضِ زندگی کو بے عذر و بے تامّل ادا کرتے رہے؟''

اب میں بالکل لاجواب تھا۔ اس کے یاد دلانے سے زندگی بھر کے گناہ اور قصور میری آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے۔ کمال بے اختیاری سے قبول کر لینا پڑا کہ میں ہارا اور تم جیتے۔ واقعی تم مجھ سے ہزار درجہ بہتر ہو اور میں نے جو تمھاری تحقیر کی اسے معاف کرو۔

(عبدالحلیم شرر)

مشق

● لفظ و معنی

برہمی	:	ناراضگی
زبانِ حال	:	موجودہ حالت کے مطابق
ناگوار	:	ناپسند
حقیر	:	کم تر
نجاست	:	ناپاکی
آلودہ	:	گندہ، ناپاک
سرکش	:	باغی، مغرور، نافرمان
معزّز	:	عزّت والا
تجویز	:	رائے، مشورہ

© NCERT not to be republished

فضیلت	:	بزرگی
نمودار	:	ظاہر
خلق اللہ	:	اللہ کی مخلوق
واعظانہ	:	نصیحت والی باتیں
مرشد	:	پیر
ولی اللہ	:	اللہ کے ولی
شکستگی	:	خراب حالت
سعادت مندی	:	فرماں برداری
حق نا آشنا	:	سچّائی نہ جاننے والا
درکنار	:	ایک طرف کر دینا
رسائی	:	پہنچ
مستعدی	:	چُستی پھُرتی، تیاری
سخن پروری	:	باتیں بنانے کی مہارت
تحقیر	:	بےعزّتی
پوستین	:	کھال کا کوٹ
واعظ	:	وعظ کرنے والا
پاپوش	:	جوتا
حقارت	:	ذلّت
ائمّہ	:	امام کی جمع
کوتاہی	:	غلطی
ایذا رسانی	:	تکلیف پہنچانا
اطاعت	:	فرماں برداری

© NCERT not to be republished

عُذر : بہانہ

اَفضل : بزرگ، برتر

سوالات

1۔ مصنّف جوتے پر کیوں جھنجھلایا؟

2۔ مصنّف کی برہمی پر جوتے نے کیا جواب دیا؟

3۔ مصنّف نے جوتے کو ذلیل شے کیوں کہا؟

4۔ جوتے کی کون سی باتیں واعظانہ تھیں؟

5۔ مصنف نے جوتے کو حقارت کی سب سے بڑی دلیل کیا بتائی؟

6۔ جوتے نے کن فرائضِ زندگی کا حوالہ دے کر مصنف کو لاجواب کر دیا؟

زبان وقواعد

(الف) نیچے لکھے لفظوں کے متضاد لکھیے۔

ناگوار ناآشنا بےاختیار حقیر افضل ذلّت آبرو

(ب) نیچے دیے ہوئے محاورں سے جملے بنائیے۔

دانت نکالنا عزیز رکھنا آنکھوں سے لگانا منھ نہ موڑنا

آبرو گھٹنا آنکھوں کے سامنے پھرنا

(ج) اس سبق میں جو تراکیب اضافت کے ساتھ آئی ہیں، ان کی نشاندہی کیجیے۔

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

اس سبق کا عنوان 'مغرور جوتا' ہے لیکن جوتے نے کہیں بھی غرور کی بات نہیں کی ہے۔ اس نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وہ زندگی کے فرائض انجام دینے میں بغیر کسی صلے کے لگا رہا ہے۔ جوتے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قدرت کے کارخانے میں کوئی چیز حقیر نہیں ہے۔ برتری اور افضلیت اسی کو حاصل ہے جو اپنے فرائض انجام دینے میں کوتاہی نہیں کرتا۔

عملی کام

سبق میں مصنف اور جوتے کے کچھ مکالموں کو اپنی زبان میں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

روبوٹ

تمام مخلوقات میں انسان کو سب سے افضل، اشرف اور برتر تسلیم کیا گیا ہے۔ بولنے کی صلاحیت کی وجہ سے اسے حیوانِ ناطق کہا جاتا ہے۔ وہ سوچنے، سمجھنے، جاننے، پہچاننے اور تلاش وجستجو کی اچھّی صلاحیت رکھتا ہے۔ تعلیمی، سماجی اور سائنسی ترقّی انسان کی اسی فطری صلاحیت کا نتیجہ ہے۔ اسی کی وجہ سے اُس نے آسمان پر کمندیں ڈالی ہیں۔ سمندر اور زمین کی تہوں کو کھنگالا، خلا میں پرواز کی اور زندگی کو آسان اور آرام دہ بنانے کے لیے طرح طرح کی جو ایجادات کیں، ان میں ایک ''روبوٹ''، یعنی مشینی انسان کی ایجاد بھی شامل ہے۔

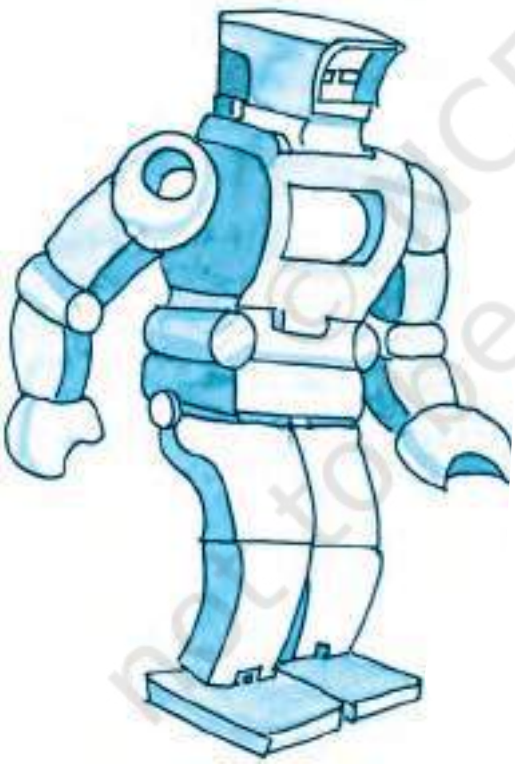

روبوٹ کی ابتدا خود کار کھلونوں سے ہوئی۔ انھیں دیکھ کر سائنس دانوں کے ذہن میں روبوٹ تیار کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ سب سے پہلے جو روبوٹ مشین استعمال میں آئی وہ کپڑا بننے والا کرگھا تھا جس کی ایجاد فرانسیسی سائنس داں جوزف میری جیگوارڈ نے کی تھی۔ اس کے بعد اعدادی کنٹرول مشینیں بنائی گئیں۔ ان مشینوں کے ذریعے ایک ہی طرح کی حرکات بار بار دہرائی جاتی تھیں۔

روبوٹ کا لفظ سب سے پہلے 1917 میں کارل چیپک نے استعمال کیا۔ روبوٹ دراصل چیکوسلوا کی زبان کا لفظ ''ربوٹا'' کی بدلی ہوئی شکل ہے جس کے معنی 'نوکروں کا کام' ہے۔

روبوٹ کی صلاحیت محدود ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے ایک ہی کام یا ایک ہی طرح کے چند کام انجام دیے جاسکتے ہیں۔ یہ ایک فعال مشین ہے جسے کمپیوٹر کنٹرول کرتا ہے۔ کمپیوٹر اسے جیسی ہدایات دیتا ہے وہ اسی طرح اپنا کام کرنے لگتا ہے۔ اسے جو ہدایات ملتی ہیں وہ انھیں اپنی یادداشت میں محفوظ کرکے ترتیب وار

تمام کام انجام دیتا رہتا ہے۔ضرورت ہونے پر روبوٹ درجۂ حرارت اور فاصلوں کو ناپنے کا کام بھی انجام دے سکتا ہے۔کمپیوٹر کی طرح اس میں بھی لکھنے، پڑھنے اور تصویریں بنانے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے لیکن یہ انسان کی طرح سوچ نہیں سکتا یا سوچ سمجھ کر زبان کا درست استعمال نہیں کرسکتا۔ یہ سمجھنا کہ روبوٹ انسان جیسا ہوتا ہے درست نہیں ہے۔بعض روبوٹ انسان سے کئی گنا بڑے ہوتے ہیں اور انسان کے بغیر کام کرتے ہیں۔خلا میں جو راکٹ انسان کے بغیر بھیجے جاتے ہیں ان میں نصب روبوٹ، ہدایت کے مطابق سارا کام انجام دیتے ہیں۔

ایسے روبوٹ جو ایک وقت میں مختلف کام کرتے ہیں، بہت مہنگے ہوتے ہیں۔ روبوٹ اُن کاموں کے لیے بے حد مفید ہیں جو ایک جیسے ہوں یا جنھیں بار بار دہرایا جاتا ہو۔ ایک جیسے کاموں سے انسان میں بے زاری پیدا ہونے یا توجہ ادھر ادھر ہوجانے کے سبب کوئی بڑا حادثہ یا غلطی ہوسکتی ہے۔ روبوٹ کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ بے زار نہیں ہوتا۔رات دن مسلسل کام کرنے پر بھی نہیں تھکتا اور اس کے ذریعے کیے جانے والے مقررہ کام میں کوئی خرابی یا تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان فیکٹریوں میں جہاں ایک جیسے کام انجام دیے جاتے ہیں یا پرزے جوڑے جاتے ہیں، روبوٹ کا استعمال بے حد کارگر ثابت ہوتا ہے۔گھر کے کاموں کے لیے یہ زیادہ مفید نہیں ہے۔سامان ادھر ادھر لے جانے، سخت محنت کرنے اور انسان کو خطرے سے بچانے کے لیے روبوٹ ہماری بڑی مدد کرتے ہیں۔بعض حادثات کی جانچ میں بھی یہ ہمارے کام آتے ہیں۔

ہر مشین کو روبوٹ نہیں کہا جاسکتا۔مشین اور روبوٹ میں فرق ہے۔ روبوٹ صرف دائیں بائیں گھوم سکتا ہے یا ساکت کھڑا رہ سکتا ہے۔ اس کے ہاتھ طے شدہ کام انجام دیتے رہتے ہیں۔ ایسے روبوٹ جو ٹی وی، فلموں یا ڈراموں میں نظر آتے ہیں، مصنوعی ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کی طرح چلتے پھرتے اور باتیں کرتے ہیں۔فلمی روبوٹ دراصل انسان ہی ہوتے ہیں جو روبوٹ کا نقلی خول پہن کر محض اداکاری کرتے ہیں۔

روبوٹ انسانی دماغ کی ایجاد کردہ مشین ہے جو ہمارے لیے پورے طور پر سود مند اور بھروسے کے قابل اسی وقت ہوسکیں گے جب ان میں اپنے طور پر معلومات فراہم کرنے اور سیکھنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے گی۔ اس سلسلے میں سائنس دانوں کی کوششیں جاری ہیں۔

(ادارہ)

© NCERT not to be republished

مشق

● لفظ و معنی

مخلوقات	:	مخلوق کی جمع، خدا کی پیدا کی ہوئی تمام چیزیں
افضل	:	سب سے اچھّا
اشرف	:	عزّت والا
برتر	:	جس کا درجہ بلند ہو
حیوانِ ناطق	:	بولنے والا جانور، مراد انسان
آسمان پر کمندیں ڈالنا (محاورہ)	:	بڑے کارنامے انجام دینا
خلا	:	زمین و آسمان کے بیچ کی جگہ
پرواز	:	اُڑان
ایجادات	:	ایجاد کی جمع، نئی چیز بنانا
جستجو	:	تلاش
خودکار	:	اپنے آپ کام کرنے والے
اعدادی کنٹرول مشین	:	وہ مشین جنھیں نمبروں کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے۔
محدود	:	خاص حد کے اندر
فعال	:	متحرّک، باعمل، سرگرم
ترتیب وار	:	سلسلے سے
درجۂ حرارت	:	ٹیمپریچر
کارگر	:	کارآمد
نصب	:	قائم کرنا، لگانا

© NCERT not to be republished

مقرّرہ : طے کیا ہوا

بے زار : اکتاہٹ

ساکت : بے حرکت، ٹھہرا ہوا

مصنوعی : نقلی، بناوٹی

خول : مکھوٹا

ایجاد کردہ : ایجاد کی گئی

سؤدمند : فائدہ مند

سوالات

1۔ انسان کو حیوانِ ناطق کیوں کہا جاتا ہے؟

2۔ روبوٹ کب، کہاں اور کس نے ایجاد کیا؟

3۔ روبوٹ کی کارکردگی اور صلاحیت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

4۔ انسان اور روبوٹ میں کیا فرق ہے؟

5۔ فلم اور ٹی وی میں دکھائے جانے والے روبوٹ کس قسم کے ہوتے ہیں؟

6۔ آئندہ روبوٹ میں مزید کیا صلاحیتیں پیدا کیے جانے کا امکان ہے؟

زبان وقواعد

- آرام دہ ترتیب وار کارگر فائدہ مند سائنس داں

اوپر کے لفظوں میں 'دہ'، 'وار'، 'گر'، 'مند' اور 'داں' لگا کر مرکّب لفظ بنایا گیا ہے۔ مرکب بنانے کے لیے وہ لفظ جو کسی لفظ کے آخر میں لگایا جاتا ہے اسے 'لاحقہ' کہتے ہیں اور وہ لفظ جو کسی لفظ کے شروع میں لگاتے ہیں اسے 'سابقہ' کہتے ہیں۔ جیسے بے مثال، غیر ضروری، لاحاصل اور خوش حال میں 'بے'، 'غیر'، 'لا' اور خوش سابقے ہیں۔

آپ بھی ان مرکّبات کے سابقے اور لاحقے لگا کر دو دو لفظ لکھیے۔

© NCERT not to be republished

- نیچے لکھے ہوئے الفاظ کی جمع بنائیے:

مخلوق حیوان تصویر ہدایت حرکت ایجاد

- نیچے لکھے ہوئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

سمندر پرواز فعال حادثہ ساکت

سودمند منزل

غور کرنے کی بات

یہ سچ ہے کہ انسان بہت سے کام باآسانی خود نہیں کرسکتا۔ مثلاً سمندر کی گہرائیوں میں اتر کر قدرتی ذخائر کا پتہ لگانا، اتھاہ گہرائی سے چیزوں کو سطح سمندر پر لانا، جنگ کے دوران دشمن کے ذریعے بچھائی گئیں بارودی سرنگوں کا پتہ لگانا۔ اس طرح کے کام ہیں جن میں خطرات ہی خطرات ہیں۔ روبوٹ کی ایجاد انسان کے لیے سائنس کا دیا ہوا ایک بہت مفید اور کارآمد تحفہ ہے۔

عملی کام

روبوٹ کی تصویر بنائیے۔

© NCERT not to be republished

ڈراما

ڈراما ادب کی اہم صنف ہے۔اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں مگر اس کی ایک سادہ سی تعریف یہ ہے کہ ''ڈراما کسی قصّے یا واقعے کو اداکاروں کے ذریعے ،ناظرین کے روبرو عملاً پیش کرنے کا نام ہے۔'' اس سے واضح ہوا کہ ڈراما ناول یا افسانے کی طرح صرف لکھنے یا پڑھے جانے تک محدود نہیں ہوتا ،اس کے لیے پیش کش ضروری ہے۔یہ مکمل تب ہوتا ہے جب اسے عملاً اسٹیج پر پیش کر دیا جائے۔ناول اور افسانے کی طرح ڈرامے میں بھی پلاٹ،کردار، مکالمہ اور کوئی نہ کوئی مرکزی خیال ہوتا ہے۔

ڈرامے کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔1۔المیہ (Tragedy) اور 2۔طربیہ (Comedy)۔ان دونوں عناصر،یعنی الم و طرب کے امتزاج سے بھی ڈرامے لکھے گئے ہیں۔

اردو ڈرامے کی ابتدا 1844 سے 1855 کے دوران واجد علی شاہ کی ڈرامائی پیش کش اور امانت و مداری لال کی اندر سبھاؤں سے لکھنؤ میں ہوئی مگر اسے عروج حاصل ہوا پارسی اسٹیج کے ڈراموں سے۔جس زمانہ میں لکھنؤ اور اس کے گرد و نواح میں اندر سبھاؤں کی دھوم مچی ہوئی تھی،اسی زمانے میں ممبئی میں مغربی اثرات کے تحت ایک نئے قسم کا ڈراما وجود میں آرہا تھا جسے پارسی اسٹیج کا نام دیا گیا۔ یہ نام اسے اس لیے دیا گیا کیونکہ اس کی ابتدا اور ترقی میں پارسیوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔

پارسی اسٹیج کے ڈرامے بھی ابتدائی اردو ڈراموں کی طرح منظوم ہوتے تھے۔ان میں رقص،موسیقی اور گانوں کا استعمال بھی ویسا ہی تھا مگر پیش کش کا انداز ابتدائی ڈراموں سے مختلف تھا۔اب اسٹیج کی پچھلی دیوار پر سین سینریوں والے پردے لگائے جانے لگے۔ہر ذیلی سین پر بھی پردہ گرنے اور اٹھنے لگا۔اسٹیج پر طرح طرح کی مشینوں کا استعمال ہونے لگا۔مکالموں میں دھیرے دھیرے نثر کا استعمال بڑھا۔گانے کم ہو گئے۔فوق فطری واقعات اور کرداروں کے بجائے روز مرّہ زندگی کے واقعات اور مسائل ڈرامے کا موضوع بننے لگے۔

© NCERT not to be republished

آغا حشر کاشمیری

1876/1879 – 1931/1935

آغا حشر بنارس میں پیدا ہوئے۔اصل نام محمد شاہ تھا۔انھوں نے عربی، فارسی اور اردو کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔انگریزی تعلیم کے لیے اسکول بھی بھیجے گئے مگر پڑھنے لکھنے سے زیادہ ان کا دل سیر وتفریح اور شعروشاعری کی محفلوں میں لگتا تھا۔وہ بہت ذہین تھے۔ جو کچھ پڑھتے حرف بہ حرف یاد ہو جاتا تھا۔

اس دور میں پارسی تھیٹر کی کمپنیاں شہر شہر گھوم کر ڈرامے دکھایا کرتی تھیں۔1897 میں ''الفریڈ جوبلی کمپنی'' بنارس پہنچی۔ اس کے اہم ڈراما نگار احسن لکھنوی تھے۔آغا حشر ڈرامے دیکھنے جاتے تو احسن سے ملاقاتیں بھی ہوتی تھیں۔ایک روز کسی بات پر احسن سے الجھ گئے اور یہ کہہ کر چلے آئے کہ ایسے ڈرامے تو میں ایک ہفتے میں لکھ سکتا ہوں۔لہٰذا اپنا پہلا ڈراما'' آفتابِ محبّت'' لکھا۔اس ڈرامے کی اشاعت سے ان کی بہت ہمّت افزائی ہوئی۔

ڈراما نگاری کے شوق میں آغا حشر ممبئی پہنچے تو وہاں ان کا مقابلہ کئی تجربہ کار ڈراما نگاروں سے ہوا۔چنانچہ انھوں نے ڈرامے لکھنے اور ادبی وعلمی لیاقت بڑھانے کے لیے خوب محنت کی۔انھیں ڈراما نگار کی حیثیت سے پہلی ملازمت'' الفریڈ تھیٹریکل کمپنی'' میں ہی ملی۔یہاں انھوں نے پہلا ڈراما'' مریدشک'' لکھا۔اس ڈرامے نے آغا حشر کو بہت جلد شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔

فلمی کہانیوں کو شامل کرکے ان کے ڈراموں کی کل تعداد اڑتیس (38) ہے۔ان کے ڈراموں میں تین طرح کے پلاٹ پائے جاتے ہیں جو مغربی ڈراموں سے ماخوذ ہیں یا تاریخی اور نیم تاریخی واقعات پر مبنی ہیں۔'یہودی کی لڑکی' 'رستم وسہراب' اور 'صیدِ ہوس' ان کے مشہور ڈرامے ہیں۔

© NCERT not to be republished

صیدِ ہوس

(آخری دربار)

(پردہ اُٹھتا ہے۔)

(نادر کا دربار لگا ہونا۔ نادر کا تخت پر بیٹھے نظر آنا۔ سنجر کو پابہ زنجیر دربار میں لایا جانا)

نادر : اخّاہ! بادشاہ سلامت تشریف لائے۔ حضور، تاج کو کیا ہوا جو ننگے سر آئے!

سنجر : تاج کی تم ایسے محتاجوں کو ضرورت ہے۔ ہمارا تاج ہماری شاہانہ صورت ہے۔

نادر : احمق یوں ہی اپنی عزّت، ذلّت میں دکھلاتے ہیں، کانٹے جتنے آگ میں جلتے ہیں وہ چٹخے جاتے ہیں۔

سنجر : مصیبت ہی میں پڑ کر شرافت اور شجاعت آشکار ہوتی ہے۔ تلوار کو جس قدر گھسو اتنی ہی چمک دار ہوتی ہے۔

نادر : سبحان اللہ! جتنی زبان چلتی ہے اگر اتنی تلوار چلائی ہوتی تو آج تجھے قسمت اِس ذلیل حالت سے میرے سامنے نہ لائی ہوتی۔

سنجر : انقلاب، زمانے کا دستور ہے۔ بہار کے بعد خزاں کا آنا ضرور ہے۔

نادر : باعثِ ذلّت ہے نخوت، گردشِ عالم نہیں
دم نہیں اور پھر سمجھنا میں کسی سے کم نہیں

سنجر : ٹھہر جا کیوں گھبراتا ہے۔ اب تیری بربادی کا وقت قریب آتا ہے۔

نادر : بدزبانوں کی طرح بدزبانی

سنجر : شیطانوں کی طرح بے ایمانی

نادر : عقل ہے تو انجام پر نظر کر

سنجر : بندہ ہے تو خدا سے ڈر

نادر : دیکھ تو، قیدی ہے اور لاچار ہے۔

© NCERT not to be republished

سنجر : لاچاروں کی مدد کرنے والا پروردگار ہے۔

نادر : اس نے مجھے تم پر قابو دیا ہے۔

سنجر : وہی موت اور جہنّم کو تجھ پر قابو دے گا۔

نادر : ادب کر، ورنہ بے رحم چھری تیری جان لے لے گی۔ یہ زبان میرے قدموں کے آگے کٹ کر پڑی ہوگی۔

سنجر : گر یہی ناپاک ارادے ہیں دلِ سفّاک کے
تیرے بھی وہ حال ہوں گے جو ہوئے ضحّاک کے
آج جن ہاتھوں سے میری کاٹتا ہے تو زباں
کل انھیں کو کاٹ کر کھائیں گے کیڑے خاک کے

نادر : بس بے ادب، خاموش!

سنجر : دِکھا بزدلوں کو یہ جوش وخروش!

نادر : نادان، مت اتنا گرم ہو۔

سنجر : نامرد ہے جو نرم ہو

(کئی سردار تلواریں لیے داخل ہوتے ہیں)

نادر : یہ آ گئی تیری قضا۔

ایک سردار : بس ٹھہر جا اور پا سزا۔

(سرداروں کا چاروں طرف سے سنجر کو تلواروں میں گھیر لینا۔ سنجر کا خنجر نکالنا)

نادر : باغی، خودسر!

دوسرا سردار : پھینک خنجر!

(اچانک زار اور قزل کا مع چند افسروں کے آنا، سرداروں سے لڑنا اور نادر کو گرفتار کرنا)

قزل : بند رکھ اپنی زباں او بدگہر!

زار : ہو ذرا جنبش اگر

تو کاٹ دو ناپاک سر

نادر : او آنکھوں مجھے یہ کیا نظر آتا ہے؟

سنجر : دیکھا، خدا اپنے لاچار بندوں کو اس طرح بچاتا ہے۔

نادر : افسوس صد ہزار افسوس!

قزل : خودغرض اب کیوں پچھتاتا ہے، جو دغا دیتا ہے وہی دغا پاتا ہے۔

سنجر : کلجگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

زار : سنجر! اب کیا انتظار ہے۔ سانپ بھی موجود ہے اور یہ لوہے کی لاٹھی بھی سر کچلنے کے لیے تیار ہے۔ وہ سزا دیجیے کہ عبرت ہو زمانے کے لیے۔

نادر : رحم! رحم!

قزل : حضور! آپ اس پر رحم نہ کیجیے۔ اگر آپ کی مرضی ہے کہ دنیا کچھ دِن آرام سے جیے تو اس کو مرنے دیجیے۔

نادر : نہیں نہیں، خدا نے تمھیں رحم دل پیدا کیا ہے۔ تم ضرور بخش دو گے۔

© NCERT not to be republished

سنجر : بخش دو اس کی جان

زار : سنجر، اِس کا قصور قابلِ معافی نہیں ہے۔

سنجر : بس آج سے یہ اپنی باقی زندگی قید میں کاٹے یہی سزا کافی ہے۔ ہٹاؤ میرے سامنے سے اسے، لے جاؤ۔

نادر : قسمت نے دی تھیں آنکھیں پر کچھ نہ دیکھا بھالا
لعنت ہو اس ہوس پر جس نے قفس میں ڈالا

زار : زینتِ عالم آیئے، یہ عزت کا تاج پہن کر تخت پر بیٹھیے اور انصاف کا سکّہ چلایئے۔

(سنجر کو تاج پہنانا)

سنجر : جن ہاتھوں سے تاج عنایت کیا ہے، ان ہاتھوں کو خدا سلامت رکھے۔

(پردہ گرتا ہے)

(آغا حشر کاشمیری)

مشق

● لفظ و معنی

صید ہوس : ہوس کا شکار

پابہ زنجیر : زنجیروں سے جکڑے ہوئے پاؤں

محتاج : لاچار، ضرورت مند

احمق : بے وقوف

شجاعت : بہادری

آشکار : ظاہر

سبحان اللہ : اللہ پاک ہے، مراد تعریفی کلمہ

© NCERT not to be republished

دائم	:	ہمیشہ قائم رہنے والا
باعث	:	سبب
نخوت	:	غرور
ضحاک	:	ایک ظالم بادشاہ جس کے شانوں پر دو سانپ مسلّط رہتے تھے۔ یہ کردار فردوسی کے شاہنامہ میں ہے۔
گردشِ عالم	:	زمانے کا اُلٹ پھیر
پروردگار	:	پالنے والا، مراد خدا
قضا	:	موت
دلِ سفّاک	:	سخت دل
باغی	:	بغاوت کرنے والا
خودسر	:	مغرور
بدگہر	:	مراد بدقسمت
جنبش	:	حرکت
صد	:	سو
عبرت	:	سیکھ، سبق
قفس	:	پنجرا، قید خانہ
زینتِ عالم	:	دنیا کو رونق بخشنے والا
عنایت	:	مہربانی
سلامت رکھنا	:	محفوظ رکھنا

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ ننگے سر آنے پر سنجر نے نادر کو کیا جواب دیا؟

2۔ سنجر نے یہ کیوں کہا کہ انقلاب زمانے کا دستور ہے؟

3۔ نادر نے سنجر کو بے ادب کیوں کہا؟

4۔ کلجگ اور کرجگ میں کیا فرق ہے؟

5۔ آخر میں سنجر نے نادر کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

زبان وقواعد

(الف)

مصیبت ہی میں پڑ کر شرافت اور شجاعت آشکار ہوتی ہے۔

تلوار کو جس قدر گھِسو، اتنی ہی چمکدار ہوتی ہے۔

(ب) انقلاب زمانے کا دستور ہے، بہار کے بعد خزاں کا آنا ضرور ہے۔

ان جملوں میں آشکار اور چمکدار، دستور اور ضرور

ایسے الفاظ ہیں جو ایک ہی آواز اور ایک ہی وزن پر ختم ہوتے ہیں۔ انھیں 'قافیہ' کہتے ہیں۔

نثر کے جملوں میں ہم قافیہ الفاظ سے سجی عبارت ''مقفّیٰ نثر'' کہلاتی ہے۔

غور کرنے کی بات

(الف) مصیبت ہی میں پڑ کر شرافت اور شجاعت آشکار ہوتی ہے۔

(ب) انقلاب زمانے کا دستور ہے۔ بہار کے بعد خزاں کا آنا ضرور ہے۔

عملی کام

اسکول کے کسی جلسے میں اس ڈرامے کو اسٹیج کیجیے۔

© NCERT not to be republished

سید مبارز الدّین رفعت

(1918 — 1976)

سید مبارز الدّین نام 'رفعت عرفیت' حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد نظام الدین، محکمہ جنگلات میں ملازم تھے۔ اس لیے ان کا بیشتر وقت سفر میں گزرتا تھا۔ مبارز الدین ان کے ساتھ رہتے تھے اس لیے ان کی ابتدائی تعلیم مختلف مقامات پر ہوئی۔ انھوں نے 1936 میں میٹرک اور بعد میں بی۔ اے کیا۔ 1943 میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے فارسی میں ایم۔ اے کیا۔ وہ تمام عُمر درس و تدریس کے کام سے وابستہ رہے۔

اُن کی تقریباً 30 کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں تراجم بھی شامل ہیں۔

© NCERT not to be republished

اجنتا اور ایلورا

آپ نے پہاڑ دیکھے ہوں گے لیکن ایسے پہاڑ بہت کم ہیں جن کے اندر انھیں سے تراشی ہوئی مورتیاں ہوں، چاروں طرف تصویریں بنی ہوں اور ان کی شکل بھی غار کی سی ہو۔ مہاراشٹر میں اورنگ آباد کے قریب اجنتا اور ایلورا کے غار ایسے ہی ہیں۔ یہ قدرتی نہیں ہیں بلکہ چٹانوں کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ یہ غار بہت پرانے ہیں لیکن دیکھیے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں آج ہی بنایا گیا ہے۔

اجنتا میں سب سے پرانے غار تو وہ ہیں جو آج سے تقریباً بائیس سو سال پہلے بنائے گئے تھے۔ پھر آخری غار وہ ہیں جو

چھٹی صدی عیسوی میں بنے تھے۔ اس طرح یہ غار تقریباً آٹھ سو سال میں بنے ہیں۔ ان کے بنانے میں کئی نسلوں نے حصّہ لیا۔

ایک وسیع ہال میں مہاتما بدھ کا ایک بڑا مجسمہ بنا ہوا ہے۔ دیواروں پر مہاتما بدھ کے پچھلے جنموں کی کہانیاں تصویروں کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ چھتوں پر نازک نازک بیل بوٹوں کے نقش ونگار ہیں۔ یہاں ایک استوپ ہے جس میں مہاتما بدھ کا مقدّس

بال اور چتا کی راکھ محفوظ ہے۔ یہاں بھکشو عبادت کرتے تھے، ساتھ ساتھ تصویریں بنانے کا کام بھی کرتے تھے۔ غاروں میں اندھیرا تو تھا ہی، اس لیے تصویریں بنانے میں خاصی مشکل پیش آتی تھی۔ چنانچہ غار کے منھ پر فولاد کے صیقل کیے ہوئے بڑے بڑے آئینے رکھ دیے جاتے۔ جب اُن پر سورج کی کرنیں پڑتیں تو اُن کا عکس غاروں کے اندر پڑتا اور یہی نہیں بلکہ غار کے اندر بھی اس طرح کے اور آئینے رکھ دیے جاتے پھر اُن پر باہر کے آئینوں کا عکس پڑتا اور یوں غار میں ہر طرف روشنی ہوجاتی تھی۔ یوں تو مشعل جلا کر بھی روشنی کی جاسکتی تھی لیکن مشعل کے دھوئیں سے بنی ہوئی تصویریں خراب ہوسکتی تھیں۔ اس لیے انھوں نے مشعلیں استعمال نہیں کیں۔

اجنتا میں تقریباً ایک ہزار برس تک بڑی پُرسکون زندگی رہی۔ بھکشوؤں کی کئی نسلیں آئیں اور گزر گئیں۔ اجنتا میں غار بنتے رہے۔ مشہور چینی سیّاح ہیون سانگ ساتویں صدی عیسوی میں یہاں آیا تھا، اُس نے اپنے سفر نامے میں ان غاروں کی بہت تعریف کی ہے۔

زمانہ سدا ایک حال پر نہیں رہتا۔ دھیرے دھیرے ہندوستان میں بدھ مت کے ماننے والوں کی تعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اجنتا میں بھی کوئی باقی نہ رہا۔ لوگوں کے دلوں سے بھی آہستہ آہستہ اس کی یاد مٹ گئی اور سیکڑوں برس تک لوگوں کو ان غاروں کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہ چل سکا۔ جب انگریز ہندوستان آئے اور 1819 میں انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان انھیں پہاڑیوں کے آس پاس لڑائی چھڑی تو انگریزی فوج کے سپاہی اس وادی کو ایک اچھا مورچہ جان کر اس کے اندر اتر گئے۔ یہاں پہنچے تو انھیں غاروں کا بیرونی حصہ نظر آیا۔ یہ غار مٹی سے اٹے پڑے تھے۔ کچھ سپاہی ان غاروں میں گھس گئے اور ان کے اندر تصویریں دیکھ کر حیران ہوئے اور پھر جلدی ہی ان کی شہرت پھیل گئی۔ بڑے بڑے مصوّروں نے ان کی تصویریں تیار کیں۔ ان تصویروں کی لندن اور پیرس میں نمائش ہوئی، غاروں کو صاف کیا گیا تاکہ لوگ ان کو دیکھنے کے لیے آسکیں۔

ایلورا کے غار بنانے والوں کو اجنتا کے غاروں جیسا دل کش منظر تو نہ مل سکا، تاہم قدرتی مناظر کے لحاظ سے یہ مقام بھی اچھا ہے۔ ایلورا میں کل ملا کر چونتیس غار ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایلورا کے غار بنانے والوں کے ہاتھ میں پتھر بھی موم ہوگیا تھا۔ پتھر کو انھوں نے جس طرح چاہا تراشا، بنایا، سنوارا اور اپنے جذبے کی آنچ اس میں شامل کردی۔ کیلاش کا مندر ایلورا کے غاروں کی جان ہے۔ یہ مندر راشٹرکوٹ کے راجا کرشنا کی سرپرستی میں بنا تھا۔ اس کے پرکھوں نے یہاں ایک مندر بنوایا تھا۔ راجا کرشنا کو یہ بہت پسند آیا۔ اُس نے حکم دیا کہ ایسا ہی مندر بنایا جائے۔ چناں چہ ایک بہت بڑی چٹان کاٹ کر اس میں کیلاش مندر کو بنانے میں کئی لاکھ ٹن پتھر باہر نکالنا پڑا۔

ایلورا کے مندر بھی کئی سو برس میں بن پائے۔ یہ غار اجنتا کی طرح نظروں سے اوجھل تو نہیں ہوئے لیکن ان کی اہمیت ختم ہوگئی تھی۔ جگہ جگہ مورتیاں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ محکمۂ آثار قدیمہ کی توجہ کے سبب اب اس جگہ کی رونق بڑھ گئی ہے۔

(سیّد مبارز الدّین رفعت)

مشق

● لفظ و معنی

نقش و نگار	:	بیل بوٹے
بِھکشو	:	بدھ مت کا درویش
صیقل کرنا	:	پالش کرنا، چمکانا
عکس	:	سایہ، پرچھائیں
وسیع	:	پھیلا ہوا
وادی	:	گھاٹی، پہاڑوں کے درمیان کی جگہ
بیرونی	:	باہری
سیّاح	:	سیر کرنے والا

© NCERT not to be republished

مناظر : منظر کی جمع، نظارے

دل کش : دل کو کھینچنے والا، خوب صورت

اوجھل ہونا : نظر سے غائب ہونا

محکمہ آثار قدیمہ : حکومت کا وہ شعبہ جو پرانی عمارتوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

سوالات

1۔ اجنتا اور ایلورا کے غار کہاں واقع ہیں؟

2۔ اجنتا کے غار بنانے میں کتنا عرصہ لگا؟

3۔ بھکشو استوپ عبادت کے ساتھ اور کیا کام کرتے تھے؟

4۔ غاروں میں روشنی کے لیے کیا انتظام کیا گیا؟

5۔ کس سیاح نے اپنے سفر نامے میں ان غاروں کا ذکر کیا ہے؟

6۔ ان غاروں کا پتہ کب اور کیسے چلا؟

7۔ ایلورا کے غاروں میں مشہور مندر کون سا ہے؟

زبان وقواعد

- 'کیلاش کا مندر ایلورا کے غاروں کی جان ہے۔'

اس جملے میں کیلاش، مندر، ایلورا، غار یہ چاروں اسم ہیں لیکن کیلاش کا مندر اور ایلورا کے غار کہہ کر مندر اور غار کو خاص کر دیا۔ ایسا لفظ جو کسی خاص شے، خاص جگہ، یا خاص شخص کے لیے استعمال ہو اسے اسمِ خاص کہتے ہیں۔ اس جملے میں کیلاش کا مندر اور ایلورا کے غار ''اسم خاص'' ہیں۔

اس کے برخلاف وہ لفظ جو کسی عام شے، عام جگہ اور عام شخص کے لیے استعمال ہو، اُسے اِسم عام کہتے ہیں۔ جیسے کتاب، شہر، لڑکا۔ آپ بھی 'اسم خاص' اور 'اسم عام' کی چار مثالیں پیش کیجیے۔

- نیچے دیے گئے جملوں کی وضاحت کیجیے:

© NCERT not to be republished

1. زمانہ سدا ایک حال پر نہیں رہتا۔
2. ایلورا کے غار بنانے والوں کے ہاتھ میں پتّھر بھی موم ہوگیا تھا۔
3. پتّھروں کو انھوں نے جس طرح چاہا تراشا، بنایا اور سنوارا اور اپنے جذبے کی آنچ اس میں شامل کردی۔

- نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

مجسّمہ نقش و نگار مقدّس صِیقل عکس مشعل آثار

غور کرنے کی بات

اجنتا، ایلورا کے غار قدرتی نہیں ہیں بلکہ چٹانوں کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ جنھیں ہم انسانی ہنرمندی کا اعلیٰ نمونہ کہہ سکتے ہیں۔

عملی کام

اجنتا اور ایلورا کے غاروں کی خصوصیات کے بارے میں چند جملے لکھیے۔

© NCERT not to be republished

کرشن چندر

(1914—1977)

کرشن چندر وزیر آباد، ضلع گجراں والا، پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پونچھ، کشمیر میں ہوئی۔1930ء کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور گئے۔1934ء میں پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم۔اے کیا۔آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہوئے پھر ممبئی کی فلمی دنیا سے منسلک ہو کر آخری وقت تک ممبئی ہی میں رہے اور وہیں انتقال ہوا۔ترقی پسند تحریک سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ پریم چند کے بعد جن افسانہ نگاروں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے، ان میں ایک اہم نام کرشن چندر کا بھی ہے۔

کرشن چندر بنیادی طور پر افسانہ نگار تھے لیکن انھوں نے ناول، ڈرامے، رپورتاژ اور مضامین بھی لکھے ہیں۔

ان کی مقبولیت کا سبب ان کی حقیقت پسندی، رومانیت اور خوب صورت اندازِ بیان ہے۔ 'یوکلپٹس کی ڈالی'، 'مہالکشمی کا پُل' 'اَن داتا' ان کے اہم افسانوی مجموعے ہیں۔

ان کے ناولوں میں ''شکست''، ''جب کھیت جاگے'' اور ''آسمان روشن ہے'' کے علاوہ ''ایک گدھے کی سرگزشت'' کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی۔

© NCERT not to be republished

جامن کا پیڑ

رات کو بڑے زور کا جھکّڑ چلا۔ سکریٹریٹ کے لان میں جامن کا ایک درخت گر پڑا۔ صبح جب مالی نے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ درخت کے نیچے ایک آدمی دبا پڑا ہے۔

مالی دوڑا دوڑا چپراسی کے پاس گیا۔ چپراسی دوڑا دوڑا کلرک کے پاس گیا۔ کلرک دوڑا دوڑا سپرنٹنڈنٹ کے پاس گیا۔ سپرنٹنڈنٹ دوڑا دوڑا لان میں آیا۔ منٹوں میں گرے ہوئے درخت کے نیچے دبے ہوئے آدمی کے گرد مجمع اکٹھا ہو گیا۔

''بے چارا جامن کا پیڑ، کتنا پھل دار تھا۔.....ایک کلرک بولا۔'' اور اس کی جامنیں کتنی رسیلی تھیں!'' دوسرا کلرک یاد کرتے ہوئے بولا۔

''میں پھلوں کے موسم میں جھولی بھر کے لے جاتا تھا۔ میرے بچّے اس کی جامنیں کتنی خوشی سے کھاتے تھے۔'' تیسرا کلرک تقریباً آب دیدہ ہو کر بولا۔

''مگر یہ آدمی؟'' مالی نے دبے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں یہ آدمی.....!'' سپرنٹنڈنٹ سوچ میں پڑ گیا۔

''پتہ نہیں زندہ ہے کہ مر گیا؟'' ایک چپراسی نے پوچھا۔

''مر گیا ہوگا۔ اتنا بھاری تنا جس کی پیٹھ پر گرے وہ بچ کیسے سکتا ہے؟'' دوسرا چپراسی بولا۔

''نہیں میں زندہ ہوں۔'' دبے ہوئے آدمی نے بہ مشکل کراہتے ہوئے کہا۔

''زندہ ہے.....!'' ایک کلرک نے حیرت سے کہا۔

''درخت کو ہٹا کر اسے جلدی سے نکال لینا چاہیے۔'' مالی نے مشورہ دیا۔

''مشکل معلوم ہوتا ہے'' ایک کاہل اور موٹا چپراسی بولا۔ ''درخت کا تنا بہت بھاری اور وزنی ہے۔''

''کیا مشکل ہے'' مالی بولا ''اگر سپرنٹنڈنٹ صاحب حکم دیں تو ابھی پندرہ بیس مالی چپراسی اور کلرک لگا کر درخت کے نیچے سے دبے ہوئے آدمی کو نکالا جا سکتا ہے۔''

© NCERT not to be republished

''مالی ٹھیک کہتا ہے'' بہت سے کلرک ایک دم بول پڑے۔ ''لگاؤ زور ہم سب تیار ہیں۔''

ایک دم بہت سے لوگ درخت اٹھانے پر تیار ہو گئے۔ ''ٹھہرو!'' سپرنٹنڈنٹ بولا'' میں انڈر سکریٹری سے مشورہ کرلوں۔''

سپرنٹنڈنٹ انڈر سکریٹری کے پاس گیا انڈر سکریٹری ڈپٹی سکریٹری کے پاس گیا۔ ڈپٹی سکریٹری جوائنٹ سکریٹری کے پاس گیا۔ جوائنٹ سکریٹری چیف سکریٹری کے پاس گیا۔ چیف سکریٹری منسٹر کے پاس گیا۔ منسٹر نے چیف سکریٹری سے کچھ کہا۔ چیف سکریٹری نے جوائنٹ سکریٹری سے کچھ کہا۔ جائنٹ سکریٹری نے ڈپٹی سکریٹری سے کچھ کہا۔ ڈپٹی سکریٹری نے انڈر سکریٹری سے کچھ کہا۔ فائل چلتی رہی، اسی میں آدھا دن گذر گیا۔

دوپہر کے کھانے پر دبے ہوئے آدمی کے گرد بہت بھیڑ ہو گئی تھی۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ کچھ من چلے کلرکوں نے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا۔ وہ حکومت کے فیصلے کا انتظار کیے بغیر درخت کو خود ہٹا دینے کا تہیّہ کر رہے تھے کہ اتنے میں سپرنٹنڈنٹ فائل لیے بھاگا بھاگا آیا۔ بولا ''ہم لوگ خود سے اس درخت کو یہاں سے نہیں ہٹا سکتے، ہم محکمہ تجارت سے متعلق ہیں اور یہ درخت کا معاملہ ہے جو محکمۂ زراعت کی تحویل میں ہے۔ اس لیے میں اس فائل کو ارجنٹ مارک کر کے محکمۂ زراعت میں بھیج رہا ہوں۔ وہاں سے جواب آتے ہی اس درخت کو ہٹوا دیا جائے گا۔'' دوسرے دن محکمۂ زراعت سے جواب آیا کہ درخت محکمۂ تجارت کے لان میں گرا ہے، اس لیے اس درخت کو ہٹوانے کی ذمّہ داری محکمۂ تجارت پر عائد ہوتی ہے۔

یہ جواب پڑھ کر محکمۂ تجارت کو غصہ آ گیا۔انہوں نے فوراً لکھا کہ پیڑوں کو ہٹوانے یا نہ ہٹوانے کی ذمّہ داری محکمۂ زراعت پر عائد ہوتی ہے ،محکمۂ تجارت کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسرے دن بھی فائل چلتی رہی۔شام کو جواب آ گیا۔ہم اس معاملے کو ہارٹی کلچر ڈپارٹمنٹ کے سپرد کر رہے ہیں کیوں کہ یہ پھل دار درخت کا معاملہ ہے اور ایگریکلچر ڈپارٹمنٹ صرف اناج اور کھیتی باڑی کے معاملوں میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔ جامن کا پیڑ ایک پھل دار پیڑ ہے۔اس لیے یہ پیڑ ہارٹی کلچر ڈپارٹمنٹ کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔

رات کو مالی نے دبے ہوئے آدمی کو دال بھات کھلایا۔حالانکہ لان کے چاروں طرف پولیس کا پہرہ تھا کہ کہیں لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر درخت کو خود سے ہٹانے کی کوشش نہ کریں۔مگر ایک پولیس کانسٹبل کو رحم آ گیا اور اس نے مالی کو دبے ہوئے آدمی کو کھانا کھلانے کی اجازت دے دی۔

مالی نے دبے ہوئے آدمی سے کہا،''تمہاری فائل چل رہی ہے۔امید ہے کہ کل تک فیصلہ ہو جائے گا۔''

دبا ہوا آدمی کچھ نہ بولا۔

مالی نے پیڑ کے تنے کو غور سے دیکھ کر کہا'' خیریت گذری کہ تنا تمھارے کولھے پر گرا اگر کمر پر گرتا تو ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی۔''

دبا ہوا آدمی پھر بھی کچھ نہ بولا۔

مالی نے پھر کہا،''تمھارے یہاں کوئی وارث ہے تو مجھے اس کا اتا پتا بتاؤ میں انہیں خبر دینے کی کوشش کروں گا۔''

''میں لاوارث ہوں۔'' دبے ہوئے آدمی نے بڑی مشکل سے کہا۔ مالی افسوس ظاہر کرتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا۔

تیسرے دن ہارٹی کلچرل ڈپارٹمنٹ سے جواب آ گیا۔ بڑا کڑا جواب تھا اور طنز آمیز .....ہارٹی کلچرل سکریٹری ادبی مزاج کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔اس نے لکھا تھا۔حیرت ہے اس سمے جب ہم درخت اگاؤ مہم بڑے پیمانے پر چلا رہے ہیں، ہمارے ملک میں ایسے سرکاری افسر موجود ہیں جو درختوں کو کاٹنے کا مشورہ دیتے ہیں اور وہ بھی پھل دار درخت کو، اور وہ بھی جامن کے درخت کو جس کے پھل عوام بڑی رغبت سے کھاتے ہیں۔

ہمارا محکمہ کسی حالت میں اس پھل دار درخت کو کاٹنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

''اب کیا کیا جائے؟ ایک من چلے نے کہا'' اگر درخت کاٹا نہیں جا سکتا تو آدمی کو کاٹ کر نکال لیا جائے۔'' یہ دیکھیے۔'' اس آدمی نے اشارے سے بتایا'' اگر اس آدمی کو عین بیچ میں سے یعنی دھڑ کے مقام سے کاٹا جائے تو آدھا آدمی ادھر سے نکل

جائے گا آدھا آدمی ادھر سے باہر آجائے گا اور درخت وہیں رہے گا.....!

''مگر اس طرح سے میں مر جاؤں گا۔'' دبے ہوئے آدمی نے احتجاج کیا۔

''یہ بھی ٹھک کہتا ہے۔'' ایک کلرک بولا۔

آدمی کو کاٹنے والی تجویز پیش کرنے والے نے پرزور احتجاج کیا۔'' آپ جانتے نہیں ہیں آج کل پلاسٹک سرجری کتنی ترقی کر چکی ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر اس آدمی کو بیچ سے کاٹ کر نکال لیا جائے تو پلاسٹک سرجری کے ذریعے دھڑ کے مقام پر اس آدمی کو پھر سے جوڑا جا سکتا ہے۔''

اب کے فائل کو میڈیکل ڈپارٹمنٹ میں بھیج دیا گیا۔ میڈیکل ڈپارٹمنٹ نے فوراً اس پر ایکشن لیا اور جس دن فائل ان کے محکمے میں پہنچی، اس کے دوسرے ہی دن انھوں نے اپنے محکمے کا سب سے قابل پلاسٹک سرجن تحقیقات کے لیے بھیج دیا۔ سرجن نے دبے ہوئے آدمی کو اچھی طرح ٹٹول کر، اس کی صحت دیکھ کر خون کا دباؤ، سانس کی آمد ورفت، دل اور پھیپھڑوں کی جانچ کر کے رپورٹ بھیج دی کہ اس آدمی کا پلاسٹک آپریشن تو ہوسکتا ہے اور آپریشن کامیاب ہو جائے گا مگر آدمی مر جائے گا۔

لہٰذا یہ تجویز بھی ردّ کر دی گئی۔

رات کو مالی نے دبے ہوئے آدمی کے منہ میں کھچڑی کے لقمے ڈالتے ہوئے بتایا۔'' اب معاملہ اوپر چلا گیا ہے۔ سنا ہے کہ کل سکریٹریٹ کے سارے سکریٹریوں کی میٹنگ ہوگی۔ اس میں تمھارا بھی کیس رکھا جائے گا۔ امید ہے سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔''

دبا ہوا آدمی ایک آہ بھر کر آہستہ سے بولا۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

مالی نے اچنبھے سے منہ میں انگلی دبائی۔ حیرت سے بولا۔'' کیا تم شاعر ہو؟''

دبے ہوئے آدمی نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

دوسرے دن مالی نے چپراسی کو بتایا۔

چپراسی نے کلرک کو، کلرک نے ہیڈ کلرک کو۔ تھوڑے ہی عرصے میں سکریٹریٹ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ دبا ہوا آدمی شاعر ہے۔ بس پھر کیا تھا لوگ جوق در جوق شاعر کو دیکھنے آنے لگے۔ اس کی خبر شہر میں پھیل گئی اور شام تک محلّے محلّے سے شاعر جمع ہونا

© NCERT not to be republished

شروع ہو گئے۔سکریٹریٹ کا لان بھانت بھانت کے شاعروں سے بھر گیا اور دبے ہوئے آدمی کے گرد ایک مشاعرہ بپا ہو گیا۔سکریٹریٹ کے کئی کلرک اور انڈر سکریٹری تک جنھیں ادب اور شعر سے لگاؤ تھا،رک گئے۔ کچھ شاعر دبے ہوئے آدمی کو اپنی غزلیں اور نظمیں سنانے لگے۔کئی کلرک اس سے اپنی غزلوں پر اصلاح لینے پر مصر ہونے لگے۔

جب پتا چلا کہ دبا ہوا آدمی ایک شاعر ہے تو سکریٹریٹ کی سب کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ چوں کہ دبا ہوا آدمی ایک شاعر ہے لہٰذا اس فائل کا تعلق نہ ایگریکلچرل ڈپارٹمنٹ سے ہے نہ ہارٹی کلچرل ڈپارٹمنٹ سے بلکہ صرف کلچرل ڈپارٹمنٹ سے ہے۔کلچرل ڈپارٹمنٹ سے استدعا کی گئی کہ جلد سے جلد اس معاملے کا فیصلہ کر کے بدنصیب شاعر کو اس شجرِ سایہ دار سے رہائی دلائی جائے۔

فائل کلچرل ڈپارٹمنٹ کے مختلف شعبوں سے گذرتی ہوئی ادبی اکیڈمی کے سکریٹری کے پاس پہنچی۔بیچارہ سکریٹری اسی وقت اپنی گاڑی میں سوار ہو کر سکریٹریٹ پہنچا اور دبے ہوئے آدمی سے انٹرویو لینے لگا!

''تم شاعر ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں'' دبے ہوئے آدمی نے جواب دیا۔

کیا تخلص کرتے ہو؟

''اوسؔ''

''کیا تم وہی اوسؔ ہو،جس کا مجموعۂ کلام 'اوس کے پھول' حال ہی میں شائع ہوا ہے؟''

دبے ہوئے شاعر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کیا تم ہماری اکیڈمی کے ممبر ہو؟''

''نہیں''

''حیرت ہے''! سکریٹری زور سے چیخا۔''اتنا بڑا شاعر،''اوس کے پھول'' کا مصنّف اور ہماری اکیڈمی کا ممبر نہیں ہے،اف اف کیسی غلطی ہوگئی ہم سے۔کتنا بڑا شاعر اور کیسے گوشۂ گم نامی میں دبا پڑا ہے۔''

''گم نامی میں نہیں،ایک درخت کے نیچے دبا ہوں،براہ کرم مجھے اس پیڑ کے نیچے سے نکالیے۔''

''ابھی بندوبست کرتا ہوں۔'' سکریٹری فوراً بولا اور فوراً جا کر اس نے اپنے محکمے میں رپورٹ کی۔

دوسرے دن سکریٹری بھاگا بھاگا شاعر کے پاس آیا اور بولا۔''مبارک ہو مٹھائی کھلاؤ،ہماری سرکاری اکیڈمی نے تمھیں اپنی مرکزی کمیٹی کا ممبر چن لیا ہے۔یہ لو پروانۂ انتخاب۔''

© NCERT not to be republished

''مگر مجھے اس درخت کے نیچے سے تو نکالو۔'' دبے ہوئے آدمی نے کراہ کر کہا۔'' اس کی سانس بڑی مشکل سے چل رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ شدید تشنّج اور کرب میں مبتلا ہے۔''

''یہ ہم نہیں کر سکتے۔'' سکریٹری نے کہا اور جو ہم کر سکتے تھے وہ ہم نے کر دیا ہے بلکہ ہم تو یہاں تک کر سکتے ہیں کہ اگر تم مر جاؤ تو تمھاری بیوی کو وظیفہ دے سکتے ہیں۔ اگر تم درخواست دو تو ہم وہ بھی کر سکتے ہیں۔''

''میں ابھی زندہ ہوں۔'' شاعر رک رک کر بولا۔'' مجھے زندہ رکھو۔''

''مصیبت یہ ہے کہ'' سرکاری ادبی اکیڈمی کا سکریٹری ہاتھ ملتے ہوئے بولا،'' ہمارا محکمہ صرف کلچر سے متعلق ہے۔ درخت کاٹنے کا معاملہ قلم دوات سے نہیں آری کلہاڑی سے متعلق ہے۔ اس کے لیے ہم نے فاریسٹ ڈپارٹمنٹ کو لکھ دیا ہے اور ارجنٹ لکھا ہے۔''

فاریسٹ ڈپارٹمنٹ کے آدمی نے آ کر دبے ہوئے آدمی کو بتایا کہ کل فاریسٹ ڈپاٹمنٹ کے آدمی آ کر اس درخت کو کاٹ دیں گے اور تمھاری جان بچ جائے گی۔

مالی بہت خوش تھا۔ دبے ہوئے آدمی کی صحت جواب دے رہی تھی مگر وہ کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی کے لیے لڑے جا رہا تھا۔ کل صبح تک..... کسی نہ کسی طرح اسے زندہ رہنا تھا۔

دوسرے دن جب فارسٹ ڈپاٹمنٹ کے آدمی آری کلہاڑی لے کر پہنچے تو ان کو درخت کاٹنے سے روک دیا گیا۔ معلوم ہوا محکمۂ خارجہ سے یہ حکم آیا تھا کہ درخت نہ کاٹا جائے۔ وجہ یہ تھی کہ اس درخت کو دس سال پہلے حکومت پی ٹوٹیہ کے وزیر اعظم نے سکریٹریٹ کے لان میں لگایا تھا۔ اب اگر اس درخت کو کاٹا گیا تو اس امر کا شدید اندیشہ تھا کہ حکومت پی ٹوٹیہ سے ہمارے تعلقات ہمیشہ کے لیے بگڑ جائیں گے۔

مگر ایک آدمی کی جان کا سوال ہے۔ ایک کلرک غصّے سے چلّایا۔

''دوسری طرف دو حکومتوں کے تعلقات کا سوال ہے۔'' دوسرے کلرک نے پہلے کلرک کو سمجھایا۔ اور یہ بھی تو سمجھو کہ حکومت پی ٹوٹیہ ہماری حکومت کو کتنی مدد دیتی ہے۔ کیا ہم ان کی دوستی کی خاطر ایک آدمی کی زندگی کو بھی قربان نہیں کر سکتے۔

شاعر کو مر جانا چاہیے۔

''بلا شبہ''

انڈر سکریٹری نے سپرنٹنڈنٹ کو بتایا۔ آج صبح وزیر اعظم دورے سے واپس آ گئے ہیں۔ آج چار بجے محکمۂ خارجہ اس

درخت کی فائل ان کے سامنے پیش کرے گا۔ جو فیصلہ وہ دیں گے وہی سب کو منظور ہوگا۔

شام کے پانچ بجے خود سپرنٹنڈنٹ شاعر کی فائل لے کر ان کے پاس آیا.....'' سنتے ہو؟''

آتے ہی وہ خوشی سے فائل کو ہلاتے ہوئے چلّایا.....وزیر اعظم نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ اس واقعے کی ساری قومی ذمّہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ کل یہ درخت کاٹ دیا جائے گا اور تم مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر لوگے۔

سنتے ہو آج تمھاری فائل مکمل ہوگئی۔ سپرنٹنڈنٹ نے شاعر کے بازو کو ہلا کر کہا۔

مگر شاعر کا ہاتھ سرد تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں بے جان اور چیونٹوں کی ایک لمبی قطار اس کے منہ میں جا رہی تھی۔

اس کی زندگی کی فائل بھی مکمل ہو چکی تھی۔

(کرشن چندر)

مشق

● لفظ و معنی

جھکّڑ	:	تیز ہوا کا جھونکا
مجمع	:	بھیڑ، ہجوم
آب دیدہ	:	آنسوؤں سے بھری آنکھیں
تہیّہ	:	پکّا ارادہ
تحویل	:	قبضہ، سپردگی، حوالہ
محکمۂ زراعت	:	کھیتی باڑی کا محکمہ
عائد ہونا	:	لاگو ہونا
مجاز	:	اختیار حاصل ہونا

© NCERT not to be republished

وارث	:	حق دار
لاوارث	:	جس کا کوئی وارث نہ ہو
طنز آمیز	:	طنز سے بھرا
ادبی مزاج	:	ادبی ذوق رکھنے والا
مہم	:	مشکل کام، بڑا کام، مشن
رغبت	:	شوق
احتجاج کرنا	:	کسی بات کے خلاف آواز اٹھانا
تجویز	:	رائے
تحقیقات	:	تحقیق کی جمع، چھان بین
تغافل	:	بے پرواہی، غفلت
خاک ہونا (محاورہ)	:	مٹّی میں مل جانا، مرنا
جوق در جوق	:	گروہ کے گروہ
بپا ہونا	:	برپا ہونا
مُصر	:	اصرار کرنے والا
اِستدعا	:	درخواست
شجر سایہ دار	:	سایہ دار پیڑ
مجموعہ کلام	:	شاعری کا مجموعہ
اِثبات	:	اقرار، ہاں
گوشہ	:	کونا
براہ کرم	:	مہربانی کرکے
پروانۂ انتخاب	:	کسی بھی ملازمت کے لیے منتخب ہونے کا اطلاعی خط
تشنج	:	تناؤ

© NCERT not to be republished

کرب : درد، تکلیف

اندیشہ : خطرہ، ڈر

سوالات

1۔ پیڑ کے نیچے دبے ہوئے آدمی کو فوراً کیوں نہیں نکالا گیا؟

2۔ پیڑ کاٹنے کے لیے ایک محکمے سے دوسرے محکمے کا چکّر کیوں کاٹا جا رہا ہے؟

3۔ یہ پتا چلتے ہی کہ دبا ہوا آدمی شاعر ہے، وہاں بھیڑ کیوں لگ گئی؟

4۔ فائل محکمّہ خارجہ میں کیوں بھیجی گئی؟

5۔ ادبی اکیڈیمی کے سکریٹری نے دبے ہوئے آدمی کی کیا مدد کی؟

6۔ کرشن چندر نے اس افسانے میں کس مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے؟

زبان وقواعد

(الف) اس سبق سے اسم فعل اور ضمیر تلاش کر کے لکھیے۔

(ب) نیچے دیے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

فوراً تقریباً درخت جوق در جوق فیصلہ

عملی کام

کرشن چندر کے دوسرے افسانوں کا مطالعہ کیجیے۔

© NCERT not to be republished

محمد حسین آزاد

(1830—1910)

محمد حسین آزاد اردو کے اہم ادیب اور شاعر تھے۔ وہ مشہور شاعر استاد ذوق کے شاگرد اور دہلی اردو اخبار کے مدیر مولوی محمد باقر کے بیٹے تھے۔ان کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ابتدا میں انھوں نے ملازمت کے سلسلے میں مختلف شہروں کا دورہ کیا۔ آخر میں وہ لاہور میں محکمۂ تعلیم میں ملازم ہوگئے۔

لاہور میں انھوں نے انجمن پنجاب کی زیرنگرانی ایک نئے انداز کے مشاعرے کی بنیاد ڈالی جس میں شاعروں کو عنوانات دیے جاتے تھے اور انھیں عنوانات پر شعرا نظمیں سناتے تھے۔یہیں سے اردو جدید نظم نگاری یا جدید شاعری کا آغاز ہوا۔

محمد حسین آزاد ایک اچھے شاعر، ایک مشہور نثر نگار اور تذکرہ نگار تھے۔انھوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ 'آبِ حیات'، 'دربار اکبری'، 'نیرنگ خیال'، 'سخن دان فارس' وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔محمد حسین آزاد صاحب طرز ادیب ہیں۔ان کی نثر شگفتہ اور سجی سنوری ہوتی ہے۔

اس کتاب میں شامل سبق 'خانِ خاناں کی فیاضی' ان کی کتاب 'دربارِ اکبری' سے لیا گیا ہے۔

© NCERT not to be republished

خانِ خاناں کی فیّاضی

خانِ خاناں جُود و کرم کے باب میں بے اختیار تھا۔ ہمّت اور حوصلے کے جوش فوّارے کی طرح اُچھلے پڑتے تھے اور عطا اور انعام کے لیے بہانہ ڈھونڈتے تھے۔ اس کی امیرانہ طبیعت بلکہ شاہانہ مزاج کی تعریفوں میں شعراء اور مصنّفوں کے لب، خُشک ہیں۔ علما، صلحا، فقرا، مشائخ وغیرہ سب کو ظاہر اور خُفیہ ہزاروں روپیے اور اشرفیاں، دولت و مال دیتا تھا اور شعرا اور اہلِ کمال کا تو مائی باپ تھا۔ جو آتا ان کی سرکار میں آ کر اِس طرح اُترتا جیسے اپنے گھر میں آ گیا اور اتنا کُچھ پاتا تھا کہ بادشاہ کے دربار میں جانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

اس کی سخاوتوں کے کارنامے اکثر لطیفوں اور حکایتوں کے رنگ و بو میں محفلوں اور جلسوں پر پھوٹل برساتے ہیں۔ میں بھی اس کے گل دستوں سے دربارِ اکبری کو سجاؤں گا۔ شعرا نے جتنے قصیدے اس کی تعریف میں کہے ہیں، اکبر ہی کی تعریف میں کہے ہوں تو کہے ہوں، اور اس نے بھی انھیں لاکھوں انعام دیے۔ گُنوان پنڈت، کوی بلکہ بھاٹ، ہزاروں اشلوک، دوہرے، کبت کہہ کرلاتے تھے اور ہزاروں لے جاتے تھے۔ انعام میں بھی وہ نزاکت ولطافت کے انداز دکھا گیا کہ آئندہ دینے والوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے ہیں۔

خانِ خاناں کا دسترخوان نہایت وسیع ہوتا تھا۔ کھانے رنگا رنگ کے تکلّفات سے رنگین اور اس کے فیضِ سخاوت کی طرح اہلِ علم کے لیے عام تھے۔ جب دسترخوان پر بیٹھتا تھا، مکانوں میں درجہ بدرجہ بندگانِ خدا بیٹھتے تھے اور لذّت سے کامیاب ہوتے تھے۔ اکثر کھانوں کی رکابیوں میں کسی میں کچھ روپے، کسی میں کچھ اشرفیاں رکھ دیتے تھے جو جس کے نوالے میں آئے، اُس کی قسمت۔

ایک دفعہ پیش خدمتوں میں کوئی نیا شخص ملازم ہوا تھا۔ دسترخوان آراستہ ہوا۔ جب خانِ خاناں آکر بیٹھا، سیکڑوں امرا اور صاحبانِ کمال موجود تھے، کھانے میں مصروف ہوئے۔ اُس وقت وہی پیش خدمت خانِ خاناں کے سر پر رومال ہلا رہا تھا۔ یکا یک رونے لگا۔ سب حیران ہوگئے۔ خان خاناں نے حال پوچھا۔ عرض کی کہ میرے بزرگ صاحبِ امارت اور دست گاہ تھے، میرے باپ کو بھی مہمان نوازی کا بڑا شوق تھا، مجھ پر زمانے نے یہ وقت ڈالا۔ اِس وقت آپ کا دسترخوان دیکھ کر وہ عالم یاد آ گیا۔ خانِ خاناں نے بھی افسوس کیا۔ ایک مُرغِ بریاں سامنے رکھا تھا، اُس پر نظر جا پڑی، پوچھا بتاؤ مُرغ میں کیا چیز مزے کی ہوتی ہے؟ اُس نے کہا، پوست۔ خانِ خاناں نے کہا سچ کہتا ہے۔ لُطف ولذّت سے باخبر ہے۔ مُرغ کی کھال اُتار کر پکاؤ تو کیسا ہی تکلف سے پکاؤ وہ لذت اور نمکینی نہیں رہتی۔ بہت خوش ہوا۔ دسترخوان پر بٹھا لیا، دِل جوئی کی اور مصاحبوں میں داخل کر لیا۔

دوسرے دن دسترخوان پر بیٹھے تو ایک اور خدمت گار رونے لگا۔ خانِ خاناں نے اس سے بھی پوچھا۔ اس نے جو سبق کل پڑھا وہی سُنا دیا۔ خانِ خاناں ہنسا اور ایک اور جانور کا نام لے کر پوچھا کہ بتاؤ اس میں کیا چیز مزے کی ہوتی ہے؟ اُس نے کہا، پوست۔ سب لعنت ملامت کرنے لگے۔ خانِ خاناں بہت ہنسا۔ اُسے کچھ انعام دے کر کسی اور کارخانے میں بھیج دیا کہ ایسا شخص حضور کی خدمت کے قابل نہیں۔

ایک دن مُلازموں کی چٹھّیوں پر دستخط کر رہے تھے، کسی پیادے کی ایک چٹھّی پر ہزار دام کی جگہ ہزار روپے لکھ دیے۔ دیوان نے عرض کی۔ کہا اب جو قلم سے نکل گیا، اس کی قسمت۔

ایک دِن نظیریؔ نیشاپوری نے کہا کہ نواب میں نے لاکھ روپے کا ڈھیر کبھی نہیں دیکھا کہ کتنا ہوتا ہے۔ اُنھوں نے خزانچی کو حکم دیا۔ اُس نے سامنے انبار لگا دیا۔ نظیریؔ نے کہا شکرِ خدا آپ کی بدولت آج لاکھ روپے دیکھے۔ خانِ خاناں نے کہا اللہ جیسے کریم کا اتنی سی بات کا کیا شکر کرنا۔ روپے اسی کو دے دیے اور کہا کہ شکر الٰہی کرو تو ایک بات بھی ہے۔

جہانگیر بادشاہ ایک دن تیر اندازی کر رہا تھا۔ کسی بھاٹ کی یاوہ گوئی پر خفا ہو کر حکم دیا کہ اسے ہاتھی کے پاؤں تلے پامال کریں۔ خانِ خاناں پاس کھڑا تھا ۔ اس نے عرض کی حضور ذرّۂ ناچیز کے لیے ہاتھی کیا کرے گا، ایک چوہے چڑیے کا پاؤں

بھی بہت ہے۔ ہاتھی کا پاؤں خانِ خاناں کے لیے چاہیے کہ بڑا آدمی ہے۔

ایک بھوکا برہمن خانِ خاناں کے دروازے پر آیا۔ دربان نے روکا۔ اس نے کہا کہ کہہ دو آپ کا ہم زُلف ملنے آیا ہے اور اس کی بیوی ساتھ ہے۔ خدمت گار نے عرض کی۔ اُسے بُلایا، پاس بٹھایا اور رشتہ کا سلسلہ کھولا۔ اُس نے کہا کہ بپتا اور سنپتا دو بہنیں ہیں۔ پہلی میرے گھر گئی، دوسری آپ کے گھر آئی ہے۔ آپ اور میں ہم زُلف نہیں تو اور کیا ہیں؟ نواب بہت خوش ہوا، خِلعت دیا، خاصہ کے گھوڑے پر طلائی ساز سجوا کر سوار کیا اور بہت کچھ نقد و جنس دے کر رُخصت کیا۔

خان خاناں ایک دن دربار میں بیٹھا تھا، اہالی موالی، اہلِ غرض، اہلِ مطلب حاضر تھے۔ ایک غریب شکستہ حال آ کر بیٹھا اور جوں جوں جگہ پاتا گیا پاس آتا گیا۔ قریب آیا تو ایک توپ کا گولہ بغل سے نکال کر لُڑکایا کہ خانِ خاناں کے زانو سے آ کر لگا۔ نوکر اس کی طرف بڑھے، اس نے روکا اور حکم دیا کہ گولہ کے برابر سونا تول دو۔ مصاحبوں نے پوچھا۔ کہا یہ قولِ شاعر کو کسوٹی پر لگاتا ہے۔

ایک دن سواری میں انھیں کسی نے ڈھیلا مارا۔ سپاہی دوڑ کر پکڑ لائے۔ انھوں نے کہا ہزار روپے دے دو۔ سب حیران رہ گئے۔ عرض کی کہ جو نالائق، قابلِ دُشنام بھی نہ ہو اسے انعام دینا آپ ہی کا کام ہے۔ انھوں نے کہا لوگ پھلے درخت پر پتھر مارتے ہیں۔ جو میرا پھل ہے وہ مجھے دینا واجب ہے۔

ایک دن سواری سے اترتے تھے، ایک بڑھیا برابر آئی۔ ایک تو اس کی بغل میں تھا۔ نکال کر اُن کے بدن سے ملنے لگی۔ نوکر ہاں ہاں کر کے دوڑے۔ انھوں نے سب کو روکا اور حکم دیا کہ اسی کے برابر سونا تول دو۔ مصاحبوں نے سبب پوچھا۔ کہا دیکھتی تھی کہ بزرگ جو کہا کرتے تھے کہ بادشاہ اور اُن کے امیر پارس ہوتے ہیں یہ بات سچ ہے یا نہیں اور اب ویسے لوگ ہیں یا کوئی رہا نہیں۔

خان خاناں امیروں سے سوا فقیروں اور غریبوں کے یار تھے۔ ان کی سرکار میں فقیر، امیر، جوگی، سب برابر تھے۔

(محمد حسین آزاد)

© NCERT not to be republished

مشق

● لفظ و معنی

جود و کرم	:	سخاوت
خفیہ	:	چُھپا ہوا
اہلِ کمال	:	ہنرمند
مصنّفوں	:	مصنف کی جمع، کتاب لکھنے والا
طلائی	:	سونے کا
علما	:	عالم کی جمع، علم رکھنے والا
صلحا	:	صالح کی جمع، نیک لوگ
فقرا	:	فقیر کی جمع، بزرگ لوگ
مشائخ	:	شیخ کی جمع، بزرگ
نقد و جنس	:	نقدی اور سامان
عالَم	:	دنیا
دل جوئی	:	دل رکھنا
مصاحب	:	ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے
یاوہ گوئی	:	بے کار باتیں
مرغِ بریاں	:	تندوری مرغ
پامال	:	پاؤں سے کچل دینا
خلعت	:	انعام میں دیا جانے والا لباس
ہم زلف	:	سالی کا شوہر

© NCERT not to be republished

بپتا	:	پریشانی
سنپتا	:	خوشحالی
دشنام	:	گالی گلوچ
تصدق	:	صدقہ
ناچیز	:	کم تر
صاحبِ امارت	:	دولت مند
صاحبِ دست گاہ	:	مہارت رکھنے والا
عالم	:	منظر، حالت، کیفیت
لعنت ملامت کرنا	:	برا بھلا کہنا
شکستہ حال	:	برے حال والا
زانو	:	ران
واجب	:	ضروری
قصیدہ	:	اردو شاعری کی ایک صنف جس میں کسی کی تعریف کی جاتی ہے۔
حکایت	:	قصّہ کہانی
گُن وان	:	خوبیوں والا
بھاٹ	:	تعریف کرنے والا
اشلوک	:	سنسکرت یا ہندی کا شعر
دوہرے	:	ہندی شاعری کی ایک قسم جس میں دو معنی نکلتے ہیں۔
وسیع	:	پھیلا ہوا
فیض	:	فائدہ
کبت	:	شاعری کی ایک قسم
تکلفات	:	تکلف کی جمع

© NCERT not to be republished

پیش خدمت : ملازم، ایک عہدے کا نام

امرا : امیر کی جمع

بندگانِ خدا : خدا کے بندے

درجہ بہ درجہ : حیثیت کے مطابق

سوالات

1۔ سبق میں خانِ خاناں کی فیاضی کے بہت سے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ آپ کو کس واقعے نے سب سے زیادہ متاثر کیا اور کیوں؟

2۔ خانِ خاناں کے دسترخوان کی کیا خصوصیات بیان کی گئی ہیں؟

3۔ برہمن نے خود کو خان خاناں کا ہم زلف کیوں کہا؟

4۔ خانِ خاناں نے ڈھیلے مارنے والے کو انعام کیوں دیا؟

5۔ بڑھیا نے تو انکال کر خانِ خاناں کے بدن پر کیوں مَلا؟

زبان وقواعد

- ان لفظوں کو پڑھیے:

دربارِ اکبری خانِ خاناں مُرغِ بریاں

جب دو بامعنی لفظوں کو زیر / ہمزہ / ے لگا کر ایک نیا بامعنی لفظ بناتے ہیں تو اسے ہم 'ترکیب' کہتے ہیں۔ دو لفظوں کے درمیان زیر / ہمزہ / ے لگانے کو اضافت کہتے ہیں۔

جیسے : خیالِ دوست صبحِ چمن

جذبۂ دل سلسلۂ کلام

رہنمائے قوم دعائے خیر

اس طرح آپ بھی چار تراکیب لکھیے۔

© NCERT not to be republished

- نیچے لکھے ہوئے جملوں کی وضاحت کیجیے:

☆ میں بھی اس کے گل دستوں سے دربار اکبری کو سجاؤں گا۔

☆ آئندہ دینے والوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

☆ لوگ پھلے درخت پر پتّھر مارتے ہیں۔

- نیچے دیے ہوئے لفظوں کے واحد لکھیے:

شعرا، علما، صلحا، فقرا، مشائخ، امرا، تکلّفات

غور کرنے کی بات

☆ جو آتا ان کی سرکار میں آکر اس طرح اُترتا جیسے اپنے گھر میں آ گیا اور اتنا کچھ پاتا تھا کہ بادشاہ کے دربار میں جانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

☆ انعام میں بھی وہ نزاکت وہ لطافت کے انداز دکھا گیا کہ آئندہ دینے والوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

عملی کام

☆ سبق میں شامل اضافت والے الفاظ کی نشاندہی کیجیے۔

☆ سبق میں جن شعری اصناف کا ذکر کیا گیا ہے ان کے نام لکھیے۔

© NCERT not to be republished

حصّۂ نظم

© NCERT not to be republished

غزل

''غزل'' کے معنی ہیں محبوب سے باتیں کرنا، عورتوں کی باتیں کرنا، عورتوں سے باتیں کرنا۔ عام طور پر غزل میں حسن و عشق کے مضامین بیان کیے جاتے تھے لیکن آہستہ آہستہ دوسرے مضامین بھی داخل ہوتے گئے۔ اب غزل میں تقریباً ہر طرح کی باتیں بیان ہوتی ہیں۔ غزل آج بھی اردو کی سب سے مقبول صنفِ سخن ہے۔ اِس کا ہر شعر مفہوم کے اعتبار سے اپنے آپ میں مکمل ہوتا ہے۔

غزل کی ابتدا قصیدے سے ہوئی۔ قدیم عربی شاعری میں قصیدے کے ابتدائی اشعار میں بعض شعر عشقیہ یا بہاریہ ہوتے ہیں۔ قصیدے کا پہلا حصّہ ''تشبیب'' کہلاتا ہے۔ رفتہ رفتہ تشبیب کے اشعار قصیدے کے علاوہ آزادانہ بھی کہے جانے لگے اور اس طرح غزل وجود میں آئی۔

جس طرح غزل میں مضامین کی قید نہیں ہے اسی طرح اشعار کی تعداد بھی مقرّر نہیں۔ عام طور پر غزل میں پانچ یا سات شعر ہوتے ہیں۔ لیکن بعض غزلوں میں زیادہ اشعار بھی ملتے ہیں۔ کبھی کبھی ایک ہی ردیف وقافیے میں شاعر ایک سے زیادہ غزلیں کہہ دیتا ہے۔ ایسی غزلوں کو 'دوغزلہ'، 'سہ غزلہ'، 'چہار غزلہ' وغیرہ کہا جاتا ہے۔

غزل کا پہلا شعر ''مطلع'' کہلاتا ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ مطلعے کے بعد بھی مطلع ہو سکتا ہے۔ مطلع کے بعد آنے والے مطلع کو ''حُسنِ مطلع'' کہتے ہیں۔ غزل کے آخری شعر میں شاعر اپنا تخلّص استعمال کرتا ہے۔ اس شعر کو ''مقطع'' کہتے ہیں۔ غزل کا سب سے اچھا شعر ''بیت الغزل'' یا ''شاہ بیت'' کہلاتا ہے۔ جس غزل میں ردیف نہ ہو اور صرف قافیے ہوں وہ ''غیر مردّف'' کہلاتی ہے۔ وہ بحر، ردیف اور قافیہ جس کے تحت غزل کہی جاتی ہے، اسے غزل کی ''زمین'' کہتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

انشاء اللہ خاں انشؔا

(1756 — 1817)

سید انشاء اللہ خاں، میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے تھے۔ مرشد آباد (بنگال) میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد دہلی میں شاہی طبیب تھے۔ بعد میں مرشد آباد واپس چلے گئے۔ انشؔا کی تعلیم وتربیت مرشد آباد میں ہوئی پھر وہ دہلی چلے آئے اور مغل بادشاہ شاہ عالم کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ دہلی سے لکھنؤ پہنچے اور نواب سعادت علی خاں کے دربار سے منسلک ہوئے۔ لکھنؤ ہی میں انتقال ہوا۔

انشؔا بڑے ذہین تھے۔ طبیعت میں جدّت اور اختراع کا مادّہ فطری تھا۔ کئی زبانیں جانتے تھے جن میں عربی وفارسی کے علاوہ ترکی، پنجابی اور راجستھانی بھی شامل ہیں۔ اُنھوں نے مرزا قتیل کے ساتھ مل کر فارسی میں 'دریائے لطافت' لکھی۔ یہ کتاب اُردو لسانیات اور قواعد پر اوّلین تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ ایک مختصر داستان 'رانی کیتکی کی کہانی' لکھی جس میں عربی، فارسی یا ترکی الفاظ استعمال نہ کرتے ہوئے ٹھیٹ ہندی آمیز اُردو لکھنے کا کامیاب تجربہ کیا۔ انھوں نے 'ریختی' لکھی جس میں عورتوں کے جذبات عورتوں ہی کی زبان میں پیش کیے۔

انشؔا نے ادب کی کئی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔

© NCERT not to be republished

غزل

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے ، باقی جو ہیں تیّار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں

یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پہروں تک
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار ، بیٹھے ہیں

کہاں صبر و تحمل ، آہ ننگ و نام کیا شئے ہے
یہاں روپیٹ کر ان سب کو ہم یک بار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشؔا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

(انشاء اللہ خاں انشؔا)

© NCERT not to be republished

مشق

● لفظ و معنی

کمر باندھے ہوئے	:	سفر کے لیے تیار
نکہت	:	خوش بو، مہک
اٹکھیلیاں	:	ہنسی مذاق، شرارت، چھیڑ چھاڑ
بادِ بہاری	:	موسم بہار کی ہوا
اُفتادگی	:	تھکن سے چور ہونے کے سبب لڑکھڑاہٹ
تحمّل	:	برداشت
ننگ و نام	:	عزّت و شہرت
'گردش فلک کی'	:	قدیم زمانے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ زمین پر بسنے والوں کے لیے تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کا سبب آسمان کی گردش ہے۔ فارسی اور اردو شعراء نے اس کا ذکر اکثر اسی حوالے سے کیا ہے۔
ہم صورت	:	دوست احباب، ایک جیسے

● سوالات

1۔ غزل کے مطلع کا مفہوم واضح کیجیے۔

2۔ شاعر نے نکہت بادِ بہاری سے کیا کہا ہے؟

3۔ غزل کے تیسرے شعر کی تشریح کیجیے۔

4۔ چوتھے شعر میں شاعر نے کن چیزوں کے کھونے پر رنج و غم کا اظہار کیا ہے؟

5۔ 'غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

© NCERT not to be republished

زبان وقواعد

غزل میں شامل مرکّب الفاظ کی نشاندہی کیجیے۔

عملی کام

اس غزل کے قافیوں کو ترتیب وار لکھیے۔

© NCERT not to be republished

نظم

نظم کے معنی 'انتظام، ترتیب یا آرائش' کے ہیں۔نظم شاعری کی ایک ایسی صنف ہے جس میں کسی خیال کو تسلسل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

نظم کے لیے نہ تو ہیئت کی کوئی قید ہے اور نہ موضوعات کی۔غزل اور مثنوی کی ہیئت میں بھی نظمیں کہی گئی ہیں۔

ہیئت کے اعتبار سے نظم کی چار قسمیں ہیں:

1۔ پابند نظم

ایسی نظم جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترتیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو، پابند نظم کہلاتی ہے۔

2۔ نظم معرّا

ایسی نظم جس کے تمام مصرعے برابر ہوں مگر ان میں قافیے کی پابندی نہ ہو،نظمِ معرّا کہلاتی ہے۔

3۔ آزاد نظم

ایسی نظم جس میں نہ تو قافیے کی پابندی کی جاتی ہے،نہ مصرعے برابر ہوتے ہیں تاہم بحر کی پابندی کی جاتی ہے۔

4۔ نثری نظم

نثری نظم چھوٹی بڑی نثری سطروں پر مشتمل ہوتی ہے۔اس میں نہ تو ردیف اور قافیے کی پابندی ہوتی ہے اور نہ ہی وزن کی۔نثری نظم کا رواج دُنیا کی تمام زبانوں میں عام ہے۔

© NCERT not to be republished

افسر میرٹھی

(1898—1974)

افسر میرٹھی کا پورا نام حامد اللہ تھا وہ میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم کے بعد 1930 میں میرٹھ کالج میرٹھ سے بی۔ اے اور پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔جُبلی کالج،لکھنؤ میں اردو کے استاد مقرّر رہوئے اور ترقّی پاکر وہیں وائس پرنسپل ہوگئے۔ 1950 میں وہاں سے سبک دوش ہوئے۔ ان کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔ان کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔وہ بچّوں کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھے۔

انھوں نے بچّوں کے لیے بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔بچّے ان کی نظمیں دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ان کی زبان سادہ اور عام فہم ہوتی ہے۔ انھوں نے بچّوں کے لیے سولہ کتابیں لکھی ہیں جن میں ’آسمان کا ہم سایہ‘ ’لوہے کی چپّل‘، ’درسی کتب‘، ’پیامِ روح‘اور’ نقد الادب‘ بہت مقبول ہیں۔فطرت اور حبّ الوطنی ان کے خاص موضوعات ہیں۔

© NCERT not to be republished

خواہشیں

دردجس دل میں ہو، میں اُس کی دوا بن جاؤں
کوئی بیمار اگر ہو تو ، شِفا بن جاؤں

دُکھ میں جلتے ہوئے لب کی میں دُعا بن جاؤں

ہائے وہ دل جو تڑپتا ہوا گھر سے نکلے
اُف وہ آنسو جو کسی دیدۂ تر سے نکلے

میں اُس آنسو کو سُکھانے کو ہوا بن جاؤں

دوُر منزل سے اگر راہ میں تھک جائے کوئی
جب مُسافر کہیں رستے میں بھٹک جائے کوئی

خِضر کا کام کروں راہ نُما بن جاؤں

نور سے عیش و مسرّت کے وطن کو بھردوں
غم سے تاریک جو دل ہو اُسے روشن کر دوں

ہراندھیرے کے لیے ایک دِیا بن جاؤں

عُمر کے بوجھ سے جو لوگ دبے جاتے ہیں
ناتوانی سے جو ہر روز جُھکے جاتے ہیں

اُن ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن جاؤں

© NCERT not to be republished

خِدمتِ خلق کا ہر سمت میں چرچا کردوں
مادرِ ہند کو جنّت کا نمونا کردوں
گھر کرے دل میں جو افسرؔ وہ صدا بن جاؤں

(افسرؔ میرٹھی)

مشق

● لفظ و معنی

شفا	:	صحت یاب ہونا
دیدۂ تر	:	بھیگی آنکھ
خضر	:	بھولے بھٹکوں کو راستہ بتانے والے ایک بزرگ
راہ نما	:	راستہ دکھانے والا
عیش	:	آرام
مسرّت	:	خوشی
ناتوانی	:	کمزوری
ضعیف	:	بوڑھا
عصا	:	لاٹھی، چھڑی
خلق	:	پیدا کیا ہوا مراد عوام
دل میں گھر کرنا (محاورہ)	:	دل میں بس جانا

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ شاعر کس دل کی دوا بننا چاہتا ہے؟

2۔ شاعر کو ہوا بن جانے کی خواہش کیوں ہے؟

3۔ شاعر وطن کو کس نور سے بھرنے کی خواہش کرتا ہے؟

4۔ شاعر نے ضعیفوں کے سہارے کے لیے عصا بننے کی خواہش کیوں کی ہے؟

5۔ 'مادرِ ہند کو جنّت کا نمونہ کر دوں' اس سے کیا مراد ہے؟

زبان وقواعد

(الف) خضر کا کام کروں راہ نما بن جاؤں

اس مصرعے میں اشارہ حضرتِ خضر کی طرف ہے۔ حضرتِ خضر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایک روحانی شخصیت ہیں جو بھولے بھٹکے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ کسی جملے، مصرعے یا شعر میں اگر کسی تاریخی واقعہ شخص یا جگہ کی طرف اشارہ کیا جائے تو اسے ''تلمیح'' کہتے ہیں۔

اپنے استاد سے معلوم کر کے دو ایسے شعر لکھیے جس میں 'تلمیح' کا استعمال ہو۔

(ب) اس نظم سے ان تراکیب کی نشاندہی کیجیے جن میں اضافت کا استعمال ہوا ہے۔

غور کرنے کی بات

یہ نظم چھے بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند میں شاعر نے کسی نہ کسی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ نظم میں پیش کردہ خیالات پریشان حال انسانوں کی خدمت اور بھلائی سے تعلق رکھتے ہیں۔

عملی کام

انسانوں کی بھلائی کے لیے جو خواہشیں آپ کے دل میں پیدا ہوتی ہیں، انھیں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

گیت

گیت ہندی شاعری کی ایک صنف ہے جو اردو میں بھی بہت مقبول ہے۔ گیت کی زبان سادہ اور عام فہم ہوتی ہے۔ عام طور پر گیت میں مقامی زندگی کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ گیتوں کا تعلق موسموں، فصلوں اور مختلف رسموں سے ہے۔ شادی بیاہ کے گیت بہت مقبول ہیں۔ زبان اور آہنگ کے اعتبار سے گیت میں دل کے تاروں کو چھو لینے والی کیفیت ہوتی ہے۔ گیت صرف لکھے اور پڑھے ہی نہیں جاتے رہے ہیں بلکہ وہ سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل بھی ہوتے رہے ہیں۔ گیت کی فضا رومانی ہوتی ہے۔ موسموں کے رنگ، پیار کی ترنگ، زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں، الجھنیں اور معاشرے کے مختلف روپ، یہ تمام چیزیں مل کر گیت کی ست رنگی دھنک بناتے ہیں۔

اُردو میں ایسے بے شمار گیت ہیں جو ہر جگہ گائے جاتے ہیں۔ اُردو کے گیت نگاروں میں عظمت اللہ خاں، اختر شیرانی، حفیظ جالندھری، آرزو لکھنوی، شاد عارفی، میرا جی، مخدوم، سلام مچھلی شہری، راجہ مہدی علی خاں، قتیل شفائی، جمیل الدین عالی، ندا فاضلی اور زبیر رضوی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

© NCERT not to be republished

حفیظؔ جالندھری

(1900 — 1982)

عبدالحفیظ نام اور حفیظؔ تخلص تھا۔ پنجاب کے ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ وہ مولانا گرامی کے شاگرد تھے اور فارسی واردو میں مہارت رکھتے تھے۔ حفیظؔ جالندھری نے کئی اہم جریدوں اور رسالوں کی ادارت کی۔ 1938 میں انھوں نے یوروپ کا سفر کیا اور وہاں قیام کے دوران ''افرنگ کی دنیا'' اور ''اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے'' مشہور نظمیں کہیں۔ چھوٹی بحروں اور سادہ لفظوں میں گیت اور نظمیں لکھنا حفیظؔ کا خاص انداز ہے۔ ان کے گیتوں میں قدرتی مناظر کی عکاسی ملتی ہے۔

حفیظؔ جالندھری کا شمار اردو کے معروف شاعروں میں ہوتا ہے۔ ''نغمۂ زار''، ''سوز وساز'' اور ''تلخابۂ شیریں'' ان کے کلام کے اہم مجموعے ہیں۔

حفیظؔ کا شاہکار ''شاہنامۂ اسلام'' ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ''شاہنامۂ اسلام'' بیانیہ شاعری کی اچھی مثال ہے۔

© NCERT not to be republished

لو پھر بسنت آئی

لو پھر بسنت آئی پھولوں پہ رنگ لائی
چلو بے درنگ
لبِ آبِ گنگ
بجے جل ترنگ
من میں امنگ چھائی پھولوں پہ رنگ لائی
لو پھر بسنت آئی
لڑکوں کی جنگ دیکھ ڈور اور پتنگ دیکھ
کوئی مار کھائے
کوئی کھِلکھلائے

© NCERT not to be republished

کوئی مسکرائے
طفلی کے رنگ دیکھ ڈور اور پتنگ دیکھ
لڑکوں کی جنگ دیکھ

کھیتوں کا ہر چرندہ باغوں کا ہر پرندہ
کوئی گرم خیز
کوئی نغمہ ریز
سبک اور تیز
پھر ہوگیا ہے زندہ باغوں کا ہر پرندہ
کھیتوں کا ہر چرندہ
پھولی ہوئی ہے سرسوں پھولی ہوئی ہے سرسوں
نہیں کچھ بھی یاد
یوں ہی بامراد
یوں ہی شاد شاد
گویا رہے گی برسوں پھولی ہوئی ہے سرسوں
پھولی ہوئی ہے سرسوں

(حفیظ جالندھری)

© NCERT not to be republished

مشق

● لفظ و معنی

بسنت	:	بہار کا موسم
بے درنگ	:	بے خوف، بلا جھجک
لبِ آبِ گنگ	:	گنگا ندی کا کنارہ
جل ترنگ	:	موسیقی کا ایک آلہ جس میں پیالے بنے ہوتے ہیں ان میں پانی بھر کر بجایا جاتا ہے۔
امنگ	:	جوش، خوشی
طفلی	:	بچپن
گرم خیز	:	تیز، چست
نغمہ ریز	:	نغمگی سے بھرا ہوا
سبک	:	نازک
چرندہ	:	چرنے والا جانور
بامراد	:	اپنے مقصد میں کامیاب
شاد	:	خوش

● سوالات

1۔ بسنت کا باغوں اور پھولوں پر کیا اثر پڑتا ہے؟

2۔ دریا کے کنارے جل ترنگ بجنے سے کیا مراد ہے؟

3۔ چرندا ور پرند پر بسنت کا کیا اثر ہوتا ہے؟

4۔ سرسوں کے پھولنے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

© NCERT not to be republished

زبان وقواعد

- نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

جل ترنگ امنگ طفلی چرند پرند سبک

عملی کام

موسم بہار سے متعلق کچھ گیت تلاش کیجیے اور انھیں یاد کیجیے۔

© NCERT not to be republished

فانی بدایونی

(1879 — 1941)

فانی بدایونی کا نام شوکت علی خاں تھا۔ ان کی پیدائش ضلع بدایوں کے قصبہ اسلام نگر میں ہوئی تھی۔ فانی کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی۔ پھر بریلی سے بی۔ اے اور علی گڑھ سے ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کی اور وکالت کرنے لگے۔ لیکن فانی کو وکالت سے کوئی دلچسپی نہ تھی البتہ شاعری کا شوق لڑکپن ہی سے تھا اور اسی میں اُن کے خوب جوہر کُھلے۔

فانی بدایونی کا شمار بیسویں صدی کے نمائندہ غزل گو شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کا کلام درد و غم، حرماں و یاس اور سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسی لیے ان کو 'یاسیت کا امام' کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے موضوعات اور خیالات کو فنی پختگی اور فکری گہرائی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ 'باقیاتِ فانی'، 'عرفانیاتِ فانی' اور 'وجدانیاتِ فانی' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ فانی کا انتقال حیدرآباد میں ہوا۔

© NCERT not to be republished

غزل

دنیا میری بلا جانے، مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مُفت نہ لوں، ہستی کی کیا ہستی ہے

آبادی بھی دیکھی ہے، ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اُجڑے اور پھر نہ بسے، دِل وہ نرالی بستی ہے

جان سی شے بِک جاتی ہے، ایک نظر کے بدلے میں
آگے مرضی گاہک کی، اِن داموں تو سستی ہے

جگ سُونا ہے تیرے بغیر، آنکھوں کا کیا حال ہوا
جب بھی دنیا بستی تھی، اب بھی دنیا بستی ہے

آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ اُمڈا آتا ہے
دِل پہ گھٹا سی چھائی ہے، کُھلتی ہے نہ برستی ہے

دِل کا اُجڑنا سہل سہی، بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں، بستے بستے بستی ہے

© NCERT not to be republished

فانیؔ جس میں آنسو کیا، دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے! وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

(فانیؔ بدایونی)

مشق

● لفظ و معنی

بلا : مصیبت، جھنجھٹ

میری بلا جانے : میں جاننے نہ جاننے کی جھنجھٹ میں کیوں پڑوں
(بے پروائی ظاہر کرنے کے لیے کہتے ہیں)

ہستی : زندگی، وجود، بساط

جی اُمڈا آنا : دل بھر آنا، رونے کو جی چاہنا

کال : قحط، کسی چیز کا بالکل نہ ملنا

● سوالات

1۔ غزل کے مطلع میں شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟

2۔ شاعر نے دل کی بستی کو نرالی کیوں کہا ہے؟

3۔ 'ایسی گھٹا جو کھُلتی ہے نہ برستی ہے' سے کیا مراد ہے؟

4۔ شاعر نے یہ کیوں کہا ہے کہ 'بستی بسنا کھیل نہیں ہے'؟

© NCERT not to be republished

زبان وقواعد

- نیچے لکھے ہوئے اشعار کی تشریح کیجیے:

جان سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں
آگے مرضی گاہک کی ان داموں تو سستی ہے

فانیؔ جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے! وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

عملی کام

غزل میں شامل متضاد الفاظ کی نشان دہی کیجیے۔

© NCERT not to be republished

نظیر اکبر آبادی

(1740—1830)

نظیر کا پورا نام ولی محمد تھا۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ بارہ برس کی عمر میں اکبر آباد (آگرہ) چلے گئے اور اکبر آباد کو اپنا وطن بنا لیا۔ وہ گھر گھر جا کر بچّوں کو پڑھاتے تھے۔ انھوں نے بہت سادگی اور قلندری کے ساتھ زندگی بسر کی۔

نظیر اکبر آبادی سے اردو میں عوامی شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ ایک فطری شاعر تھے۔ انھوں نے عوام کی زندگی کے سکھ دکھ کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور انہیں کی زبان کا استعمال کیا۔

ہندوستانی موسم، میلے، تہواروں اور انسانی زندگی کے اہم پہلوؤں اور معاملات پر لکھی ہوئی ان کی نظموں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظیر کے پاس الفاظ کا بے پناہ خزانہ ہے۔ جس کے سبب وہ موقع اور موضوعات کی مناسبت سے مناسب الفاظ استعمال کر کے کلام میں بلا کی تاثیر پیدا کر دیتے ہیں۔

ان کی شاعری کا ایک اہم موضوع گنگا جمنی تہذیب اور قومی یک جہتی ہے۔

© NCERT not to be republished

کلجُگ

دنیا عجب بازار ہے، کچھ جنس یاں کی سات لے
نیکی کا بدلہ نیک ہے، بد سے بدی کی بات لے
میوہ کِھلا، میوہ ملے، پھل پھول دے، پھل پات لے
آرام دے، آرام لے، دکھ درد دے آفات لے
کلجُگ نہیں کرجُگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہات دے، اُس ہات لے

جو چاہے لے چل اس گھڑی سب جنس یاں تیّار ہے
آرام میں آرام ہے، آزار میں آزار ہے
دنیا نہ جان اس کو میاں، دریا کی یہ منجدھار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر، تیرا بھی بیڑا پار ہے
کلجُگ نہیں کرجُگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہات دے، اُس ہات لے

تو اور کی تعریف کر، تجھ کو ثنا خوانی ملے
کر مشکل آساں اور کی، تجھ کو بھی آسانی ملے
تو اور کو مہمان کر، تجھ کو بھی مہمانی ملے
روٹی کِھلا روٹی ملے، پانی پِلا پانی ملے
کلجُگ نہیں کرجُگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہات دے، اُس ہات لے

© NCERT not to be republished

یاں زہر دے تو زہر لے، شکر میں شکّر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزہ، موذی کو ٹکّر دیکھ لے
موتی دیے موتی ملے، پتّھر میں پتّھر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں، تو تُو بھی کر کر دیکھ لے
کلجُگ نہیں کرجُگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہات دے، اُس ہات لے

(نظیر اکبرآبادی)

مشق

● لفظ و معنی

کلجُگ	:	برا زمانہ
جنس	:	چیز، سامان
کرجگ	:	کام کرنے کا زمانہ
بد	:	بُرا
آفات	:	آفت کی جمع، مصیبتیں
آزار	:	تکلیفیں، دُکھ
منجدھار	:	بیچ دریا
ثنا خوانی	:	تعریف کرنا
موذی	:	تکلیف دینے والا، ستانے والا
باور	:	قائل، یقین، ماننا

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ اس نظم میں شاعر بار بار کس بات کو دوہرا رہا ہے؟

2۔ شاعر نے دنیا کو کرجگ کیوں کہا ہے؟

3۔ 'نیکی کا بدلہ نیک ہے، بد سے بدی کی بات لے' سے کیا مراد ہے؟

4۔ دوسرے بند میں شاعر نے کن باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے؟

5۔ چوتھے بند میں شاعر نے کیا باور کرانے کی کوشش کی ہے؟

زبان وقواعد

'نیکی کا بدلہ نیک ہے، بد سے بدی کی بات لے'

اس مصرعے میں نیکی، بدی اور نیک، بد ایسے الفاظ ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔شعر میں ایسے الفاظ کا استعمال 'تضاد' کہلاتا ہے۔

اس نظم سے ایسے الفاظ کی نشاندہی کیجیے جن میں ''تضاد'' ہو۔

غور کرنے کی بات

یہ نظم مسدّس کی شکل میں ہے جس کے ہر بند میں چھے مصرعے ہیں۔اس نظم میں ہر چار مصرعوں کے بند کے بعد ایک شعر دوہرایا گیا ہے جسے ٹیپ کا شعر کہتے ہیں۔

عملی کام

اس نظم کے الگ الگ بندوں میں الگ الگ قافیے استعمال ہوئے ہیں ان کی نشان دہی کیجیے۔

© NCERT not to be republished

علی سردارؔ جعفری

(1913 — 2000)

علی سردارؔ جعفری بلرام پور ضلع گونڈہ کے ایک معزّز خاندان میں پیدا ہوئے۔ایم۔اے کے لیے انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لیا لیکن دوسری جنگ عظیم کے خلاف احتجاج کرنے پر انھیں فائنل امتحان میں بیٹھنے نہیں دیا گیا۔اسی دوران وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوگئے اور ممبئی میں سکونت اختیار کر لی۔

علی سردارؔ جعفری اردو کے مشہور شاعر نقاد اور دانشور تھے۔ان کے نو شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں جن میں 'نئی دنیا کو سلام'، 'ایک خواب اور'، 'پتھر کی دیوار' اور 'لہو پکارتا ہے' کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔'ترقی پسند ادب'، 'لکھنؤ کی پانچ راتیں'، 'اقبال شناسی'، 'پیغمبرانِ سخن' اور 'سرمایۂ سخن' اُن کی اہم تصانیف ہیں۔وہ کئی رسالوں کے مدیر رہے جن میں 'گفتگو' بہت مقبول ہوا۔

فلم کی صنعت کو بھی انھوں نے اپنی فکر کی ترسیل کا ذریعہ بنایا۔اردو کے چھے ممتاز شعرا پر انھوں نے 'کہکشاں' کے عنوان سے ڈاکومینٹری فلمیں تیار کیں۔ممبئی میں دفتروں میں کام کرنے والی خواتین پر ''گیارہ ہزار لڑکیاں'' کے نام سے ایک فلم بھی بنائی تھی۔انھیں 'پدم شری'، 'اقبال سمّان' اور 1998 میں 'گیان پیٹھ ایوارڈ' سے نوازا گیا۔

© NCERT not to be republished

ترانۂ اُردوؔ

ہماری پیاری زبان اُردو
ہمارے نغموں کی جان اُردو
حسین، دل کش، جوان اُردو

یہ وہ زباں ہے کہ جس کو گنگا کے جل سے پاکیزگی ملی ہے
اَوَدھ کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں جس کے دِل کی کلی کھلی ہے
جو شعر و نغمہ کے خُلد زاروں میں آج کویل سی کوکتی ہے

ہماری پیاری زبان اُردو
ہمارے نغموں کی جان اُردو
حسین، دل کش، جوان اُردو

اسی زباں میں ہمارے بچپن نے ماؤں سے لوریاں سنی ہیں
جوان ہوکر اسی زباں میں کہانیاں عشق نے کہی ہیں
اسی زباں کے چمکتے ہیروں سے علم کی جھولیاں بھری ہیں

ہماری پیاری زبان اُردو
ہمارے نغموں کی جان اُردو
حسین، دل کش، جوان اُردو

یہ وہ زباں ہے کہ جس نے زنداں کی تیرگی میں دیے جلائے
یہ وہ زباں ہے کہ جس کے شعلوں سے جل گئے پھانسیوں کے سائے
فرازِ دار و رسن سے بھی ہم نے سرفروشی کے گیت گائے

© NCERT not to be republished

ہماری پیاری زبان اُردو
ہمارے نغموں کی جان اُردو
حسین، دل کش، جوان اُردو

چلے ہیں گنگ و جمن کی وادی سے ہم ہوائے بہار بن کر
ہمالیہ سے اُتر رہے ہیں ترانۂ آبشار بن کر
رواں ہیں ہندوستاں کی رگ رگ میں خون کی سُرخ دھار بن کر

ہماری پیاری زبان اُردو
ہمارے نغموں کی جان اُردو
حسین، دل کش، جوان اُردو

(علی سردار جعفری)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

خلد زار	:	جنّت جیسا باغ
زنداں	:	قید خانہ
تیرگی	:	اندھیرا
فراز	:	بلندی/اونچائی
دارورسن	:	سولی/ پھانسی
سرفروشی	:	جان کی قربانی
آبشار	:	جھرنا
رواں	:	جاری

سوالات

1۔ شاعر نے نظم کے پہلے بند میں اردو زبان کی کیا کیا خوبیاں بیان کی ہیں؟

2۔ علم کی جھولیاں بھرنے سے کیا مراد ہے؟

3۔ ہندوستان کی آزادی اور انقلابی تحریک میں اردو زبان نے کیا کردار ادا کیا ہے؟ تیسرے بند کے حوالے سے بیان کیجیے۔

4۔ اردو ہندوستان کی رگ رگ میں پھیلی ہوئی ہے، اس بات سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

زبان و قواعد

'خلد زاروں' یہ ایک مرکّب لفظ ہے۔ آپ بھی زاروں یا زار لگا کر کچھ اور مرکّب الفاظ لکھیے۔ مثلاً

ریگ + زار = ریگ زار

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

اردو نے جنگ آزادی میں اہم انقلابی رول ادا کیا ہے۔ اس کے نغموں اور نعروں نے آخر کار آزادی کی راہیں ہموار کیں۔ آزادی سے متعلق اردو میں بے شمار نظمیں اور نغمے لکھے گئے ہیں۔

عملی کام

جنگِ آزادی سے متعلق اردو اشعار جمع کیجیے۔

© NCERT not to be republished